فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ اور قادیانی تحریف کا جواب

حوالہ جات کے اصل سکین کے ساتھ

7/25/2023

محمد اسامہ حفیظ

سورۃ المائدہ آیت 116،117 اور قادیانی تحریف کا جواب 2
قادیانی استدلال 2
مکمل قادیانی عقیدہ 2
آیت کا تعلق روز قیامت سے ہے 8
اعتراض 8
جواب 8
عیسائی مسیح علیہ السلام کی وفات کے بعد گمراہ ہوئے۔ 13
اعتراض 13
جواب 13
قادیانی حضرات سے ایک سوال 19
عیسائیوں کی گمراہی کا علم مسیح علیہ السلام کو نہیں ہے 21
جواب 21
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کا معنی 25
جواب 25
توفی کے حقیقی معنی ہی کیوں لیا جائے 46
جواب 46
قیامت کے دل حضور صلی اللہ علیہ کا بھی یہی الفاظ استعمال کرنا 64
جواب 65

سورۃ المائدہ آیت 116،117 اور قادیانی تحریف کا جواب

از

محمد اسامہ حفیظ

آیت

اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَکَ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَیۡسَ لِیۡ ٭ بِحَقٍّ ؕؔ اِنۡ کُنۡتُ قُلۡتُہٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَہٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۱۶﴾

مَا قُلۡتُ لَہُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِہٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبَّکُمۡ ۚ وَ کُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَ اَنۡتَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۱۱۷﴾

اور (اس وقت کا بھی ذکر سنو) جب اللہ کہے گا کہ : اے عیسیٰ ابن مریم ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بناؤ؟ وہ کہیں گے : ہم تو آپ کی ذات کو (شرک سے) پاک سمجھتے ہیں۔ میری مجال نہیں تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو یقینا معلوم ہو جاتا۔ آپ وہ باتیں جانتے ہیں جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں، اور میں اور آپ کی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا۔ یقینا آپ کو تمام چھپی ہوئی باتوں کا پورا پورا علم ہے۔

میں نے ان لوگوں سے اس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، اور وہ یہ کہ : اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں۔

قادیانی استدلال

قادیانی کہتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں

مکمل قادیانی عقیدہ

دلیل آپ کے دعویٰ کے مطابق نہیں

سب سے پہلے اصولی اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ آپ کی دلیل آپ کے دعویٰ کے مطابق نہیں ہے آپ حضرات کا دعویٰ تو یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی عمر جب 33 سال 6 ماہ ہوئی تو یہود نے آپ کو گرفتار کر لیا (تحفہ گولڑویہ، خزائن جلد 17 صفحہ 311)

بلکہ جس طرح سویا ہوا آدمی دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے اور اس حالت میں بسا اوقات وفات یافتہ لوگوں سے بھی ملاقات کرتا ہے۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کشفی حالت میں اِس دنیا سے وفات یافتہ کے حکم میں تھے۔ ایسا ہی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک سوبیس[۱۲۰] برس عمر پائی ہے لیکن ہر ایک کو معلوم ہے کہ واقعہ صلیب اُس وقت حضرت عیسیٰ کو پیش آیا تھا جبکہ آپ کی عمر صرف تینتیس[۳۳] برس اور چھ مہینے کی تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ باقی ماندہ عمر بعد نزول پوری کر لیں گے تو یہ دعویٰ حدیث کے الفاظ سے مخالف ہے ماسوا اس کے حدیث سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود اپنے دعوے کے بعد چالیس برس دنیا میں رہے گا تو اس طرح پر تینتیس[۳۳] برس ملانے سے کل تہتّر[۷۳] برس ہوئے نہ ایک سوبیس[۱۲۰] برس حالانکہ حدیث میں یہ ہے کہ ایک سوبیس برس اُن کی عمر ہوئی۔

اور اگر یہ کہو کہ ہماری طرح عیسائی بھی مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں مسیح نے خود اپنی آمد ثانی کو الیاس نبی کی آمد ثانی سے مشابہت دی ہے۔ جیسا کہ انجیل متی ۱۷ باب آیت ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ ماسوا اس کے عیسائیوں میں سے بعض فرقے خود اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی الیاس نبی کی طرح بروزی طور پر ہے۔ چنانچہ نیو لائف آف جیزس جلد اوّل صفحہ ۴۱۰ مصنفہ ڈی. ایف سٹراس میں یہ عبارت ہے:

(جرمن کے بعض عیسائی محققوں کی رائے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا)

Crucifiction they maintain, even if the feet as well as the hands are supposed to have been nailed occasions but very little loss of blood. It kills therefore only very slowly

آپ کی توہین کی گئی، گالیاں دی گئی، طمانچے مارے گئے۔ (ازالہ اوہام حصہ اول، خزائن جلد 3 صفحہ 295)

آپ علیہ السلام کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر چڑھایا گیا، بعض اعضاء میں کیلیں ٹھونکے گئے۔ (ازالہ اوہام حصہ اول، خزائن جلد 3 صفحہ 295)

بہت اصرار کیا کہ اس کو صلیب دے صلیب دے۔ اور سب مولوی اور فقیہ یہودیوں کے اکٹھے ہو کر کہنے لگے کہ یہ کافر ہے اور توریت کے احکام سے لوگوں کو پھیرتا ہے۔ پلاطوس اپنے دل میں خوب سمجھتا تھا کہ اِن جزئی اختلافات کی وجہ سے ایک راستباز آدمی کو قتل کر دینا بے شک ﴿۳۷۹﴾ سخت گناہ ہے اسی وجہ سے وہ حیلے پیدا کرتا تھا کہ کسی طرح مسیح کو چھوڑ دیا جائے مگر حضرات مولوی کب باز آنے والے تھے انہوں نے جھٹ ایک اور بات بنالی کہ یہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ میں یہودیوں کا بادشاہ ہوں اور در پردہ قیصر کی گورنمنٹ سے باغی ہے۔ اگر تو نے اس کو چھوڑ دیا تو پھر یاد رکھ کہ ایک باغی کو تو نے پناہ دی۔ تب پلاطوس ڈر گیا کیونکہ وہ قیصر کا ماتحت تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پھر بھی اس خونِ ناحق سے ڈرتا رہا۔ اور اس کی عورت نے خواب دیکھی کہ یہ شخص راستباز ہے اگر پلاطوس اس کو قتل کرے گا تو پھر اسی میں اُس کی تباہی ہے۔ سو پلاطوس اس خواب کو سن کر اَور بھی ڈھیلا ہو گیا اس خواب پر غور کرنے سے جو انجیل میں لکھی ہے ہر یک ناظر بصیر سمجھ سکتا ہے کہ ارادہ الٰہی یہی تھا کہ مسیح کو قتل ہو جانے سے بچاوے۔ سو پہلا اشارہ منشاء الٰہی کا اس خواب سے ہی نکلتا ہے اس پر **خوب غور کرو۔**

بعد اس کے ایسا ہوا کہ پلاطوس نے آخری فیصلہ کے لئے اجلاس کیا اور نابکار مولویوں اور فقیہوں کو بہتیرا ﴿۳۸۰﴾ سمجھایا کہ مسیح کے خون سے باز آ جاؤ مگر وہ باز نہ آئے بلکہ چیخ چیخ کر بولنے لگے کہ ضرور صلیب دیا جائے دین سے پھر گیا ہے۔ تب پلاطوس نے پانی منگوا کر ہاتھ دھوئے کہ دیکھو میں اس کے خون سے ہاتھ دھوتا ہوں۔ تب سب یہودیوں اور فقیہوں اور مولویوں نے کہا کہ اس کا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر۔ پھر بعد اس کے مسیح اُن کے حوالہ کیا گیا اور اس کو تازیانے لگائے گئے اور جس قدر گالیاں سننا اور فقیہوں اور مولویوں کے اشارہ سے طمانچے کھانا اور ہنسی اور ٹھٹھے سے اُڑائے جانا اس کے حق میں مقدر تھا سب اُس نے دیکھا۔ آخر صلیب دینے کے لئے طیار ہوئے یہ جمعہ کا دن تھا

اور عصر کا وقت۔ اور اتفاقاً یہ یہودیوں کی عید فسح کا بھی دن تھا۔ اس لئے فرصت بہت کم تھی اور آگے سبت کا دن آنے والا تھا جس کی ابتدا غروب آفتاب سے ہی سمجھی جاتی تھی کیونکہ یہودی لوگ مسلمانوں کی طرح پہلی رات کو اگلے دن کے ساتھ شامل کر لیتے تھے اور یہ ایک شرعی تاکید تھی کہ سبت میں کوئی لاش صلیب پر لٹکی نہ رہے۔ تب یہودیوں نے جلدی سے مسیح کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر چڑھا دیا تا شام سے پہلے ہی لاشیں اُتاری جائیں۔ مگر اتفاق سے اُسی وقت ایک سخت آندھی آ گئی جس سے سخت اندھیرا ہو گیا۔ یہودیوں کو یہ فکر پڑ گئی کہ اب اگر اندھیری میں ہی شام ہو گئی تو ہم اس جرم کے مرتکب ہو جائیں گے جس کا ابھی ﴿۳۸۱﴾ ذکر کیا گیا ہے۔ سو انہوں نے اس فکر کی وجہ سے تینوں مصلوبوں کو صلیب پر سے اُتار لیا۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بالاتفاق مان لیا گیا ہے کہ وہ صلیب اس قسم کی نہیں تھی جیسا کہ آج کل کی پھانسی ہوتی ہے اور گلے میں رسہ ڈال کر ایک گھنٹہ میں کام تمام کیا جاتا ہے بلکہ اس قسم کا کوئی رسہ گلے میں نہیں ڈالا جاتا تھا صرف بعض اعضاء میں کیلیں ٹھوکتے تھے اور پھر احتیاط کی غرض سے تین تین دن مصلوب بھوکے پیاسے صلیب پر چڑھائے رہتے تھے اور پھر بعد اس کے ہڈیاں توڑی جاتی تھیں اور پھر یقین کیا جاتا تھا کہ اب مصلوب مر گیا مگر خدائے تعالیٰ کی قدرت سے مسیح کے ساتھ ایسا نہ ہوا۔ عید فسح کی کم فرصتی اور عصر کا تھوڑا سا وقت اور آگے سبت کا خوف اور پھر آندھی کا آ جانا ایسے اسباب یکدفعہ پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے چند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اُتار لیا گیا اور دونوں چور بھی اُتارے گئے۔ اور پھر ہڈیوں کے توڑنے کے وقت خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا یہ نمونہ دکھایا کہ بعض سپاہی پلاطوس ﴿۳۸۲﴾ کے جن کو در پردہ خواب کا خطرناک انجام سمجھایا گیا تھا وہ اس وقت موجود تھے جن کا مدعا یہی تھا کہ کسی طرح یہ بلا مسیح کے سر پر سے ٹل جائے ایسا نہ ہو کہ مسیح کے قتل ہونے کی وجہ سے وہ خواب سچی ہو جائے جو پلاطوس کی عورت نے دیکھی تھی۔ اور ایسا نہ ہو کہ پلاطوس کسی

آپ علیہ السلام ''صلیب سے نجات پاکر ایک سرد ملک کی طرف بھاگ گئے تھے یعنی کشمیر'' (تحفہ غزنویہ، خزائن جلد15 صفحہ 540)

زجر اور توبیخ سے جواب دیا گیا تھا اور قرآن شریف میں اقتراحی نشانوں کے مانگنے والوں کو یہ جواب دیا گیا تھا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا [1] یعنی خدا تعالیٰ کی شان اس تہمت سے پاک ہے کہ کسی اس کے رسول یا نبی یا ملہم کو یہ قدرت حاصل ہو کہ جو الوہیّت کے متعلق خارق عادت کام ہیں ان کو وہ اپنی قدرت سے دکھلائے اور فرمایا کہ ان کو کہہ دے کہ مَیں تو صرف آدمیوں میں سے ایک رسول ہوں جو اپنی طرف سے کسی کام کے کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ محض امر الٰہی کی پیروی کرتا ہوں۔ پھر مجھ سے یہ درخواست کرنا کہ یہ نشان دکھلا اور یہ نہ دکھلا سراسر حماقت ہے۔ جو کچھ خدا نے کہا وہی دکھلا سکتا ہوں نہ اور کچھ۔ اور انجیل میں خود تراشیدہ نشان مانگنے والوں کو صاف لفظوں میں حضرت مسیح مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے حرام کار لوگ مجھ سے نشان مانگتے ہیں ان کو بجز یونس نبی کے نشان کے اور کوئی نشان دکھلایا نہیں جائے گا یعنی نشان یہ ہوگا کہ باوجود دشمنوں کی سخت کوشش کے جو مجھے سولی پر ہلاک کرنا چاہتے ہیں مَیں یونس نبی کی طرح قبر کے پیٹ میں جو مچھلی سے مشابہ ہے زندہ ہی داخل ہوں گا اور زندہ ہی نکلوں گا اور پھر یونس کی طرح نجات پاکر کسی دوسرے ملک کی طرف جاؤں گا۔ یہ اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جیسا کہ اُس حدیث سے ثابت ہے کہ جو کنز العمال میں ہے یعنی یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے نجات پاکر ایک سرد ملک کی طرف بھاگ گئے تھے یعنی کشمیر جس کے شہر سری نگر میں ان کی قبر موجود ہے۔ غرض جب حضرت مسیح سے ان کے دشمنوں نے نشان مانگا اور میاں عبد الحق کی طرح بعض خود تراشیدہ نشان پیش کئے کہ ہمیں یہ دکھلاؤ اور یہ دکھلاؤ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہی جواب تھا جو ابھی ہم نے تحریر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میاں عبد الحق کا ایسے اقتراحی نشان

﴿۱۰﴾

[1] بنی اسرائیل: ۹۴

کشمیر میں ہی آپ 125 سال کی عمر میں فوت ہوئے (خزائن جلد 15 صفحہ 55)

﴿۵۳﴾ یہی چاہا کہ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرنا ایک مشہور امر تھا اور امور بدیہیہ مشہودہ محسوسہ میں سے تھا اسی طرح تطہیر اور بریت بھی امور مشہودہ محسوسہ میں سے ہونی چاہیے۔ سو اب اسی کے موافق ظہور میں آیا یعنی تطہیر بھی صرف نظری نہیں بلکہ محسوس طور پر ہوگئی اور لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔ اور جیسا کہ گلگتہ یعنی سری کے مکان پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سری کے مکان پر یعنی سرینگر میں ان کی قبر کا ہونا ثابت ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں موقعوں میں سری کا لفظ موجود ہے۔ یعنی جہاں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر کھینچے گئے اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور جہاں انیسویں صدی کے اخیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ثابت ہوئی اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت کہ جو کشمیر کے علاقہ میں ہے یہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے۔ غالباً یہ شہر حضرت مسیح کے وقت میں بنایا گیا ہے اور واقعہ صلیب کی یادگار مقامی کے طور پر اس کا نام گلگت یعنی سری رکھا گیا۔ جیسا کہ لاسہ جس کے معنی ہیں معبود کا شہر۔ یہ عبرانی لفظ ہے اور یہ بھی حضرت مسیح کے وقت میں آباد ہوا ہے۔

اور احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ایک سو پچیس ۱۲۵ برس کی ہوئی ہے۔ اور اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں دو ایسی باتیں جمع ہوئی تھیں کہ کسی نبی میں وہ دونوں جمع نہیں ہوئیں۔ (۱) ایک یہ کہ انہوں نے کامل عمر پائی یعنی ایک سو پچیس ۱۲۵ برس زندہ رہے۔ (۲) دوم یہ کہ انہوں نے دنیا کے اکثر حصوں کی سیاحت کی۔ اس لئے نبی سیاح کہلائے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف تینتیس ۳۳ برس کی عمر میں آسمان کی طرف اٹھائے جاتے تو اس صورت میں ایک سو پچیس ۱۲۵ برس کی روایت صحیح نہیں

تو قادیانی حضرات سے گزارش ہے کہ وہ دلیل اپنے مکمل دعویٰ پر پیش کریں، دلیل ایسی ہو جس سے ثابت ہو جائے کہ

یہود نے مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر لیا تھا، آپ کی توہین کی گئی تھی، آپ کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر چڑھایا گیا تھا، آپ کے جسم مبارک میں کیلیں ٹھونکی گئی تھی، آپ صلیب سے نجات پاکر کشمیر آگئے تھے، کشمیر میں آپ 125 سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

یہ آپ کا مکمل دعویٰ ہے اس کو ثابت کریں لیکن دنیا قادیانیت کا کوئی فرد بھی اپنے اس مکمل عقیدہ کو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں کر سکتا۔

آیت کا تعلق روز قیامت سے ہے

اعتراض

قادیانی کہتے ہیں کہ آیت کا تعلق ماضی سے ہے، آیت نازل ہونے سے پہلے یہ سوال کیا جاچکا ہے، اس لیے ثابت ہوا کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تبھی تو آپ سے سوال ہوا وغیرہ

جواب

آیت مبارکہ میں قیامت کے دن کا بتایا جارہا ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ کیا آپ نے عیسائیوں کو اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا۔

اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ

اس کی دلیل

ہٰذَا یَوۡمُ یَنۡفَعُ الصّٰدِقِیۡنَ صِدۡقُہُمۡ ؕ (المائدہ: 119)

اللہ کہے گا کہ : یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچ فائدہ پہنچائے گا۔

یہ آیت ہے۔

یہ سوال جواب قیامت کے دن ہوں گے اس پر حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں

''ماضی مضارع کے معنوں پر بھی آجاتی ہے بلکہ ایسے مقامات میں جبکہ آنے والا واقعہ متکلم کی نگاہ میں یقینی الوقوع ہو مضارع کو ماضی کے صیغہ پر لاتے ہیں تا اس امر کا یقینی الوقوع ہونا ظاہر ہو۔ اور قرآن شریف میں اس کی بہت نظیریں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ'' (براہینِ احمدیہ حصہ پنجم، خزائن جلد 21 صفحہ 159)

پھر معترض کا پیشگوئی **عفت الدیار** پر ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ **عفت** کا لفظ جو ماضی کا صیغہ ہے اس کا ترجمہ مضارع کے معنوں میں کیا گیا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ ماضی کے معنوں میں کرنا چاہئے تھا۔ اس اعتراض کے ساتھ معترض نے بہت شوخی دکھلائی ہے۔ گویا مخالفانہ حملہ میں اس کو بھاری کامیابی ہوئی ہے۔ اب ہم اس کی کس کس دھوکا دہی کو ظاہر کریں جس شخص نے کافیہ یا ہدایت النحو بھی پڑھی ہوگی۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ماضی مضارع کے معنوں پر بھی آجاتی ہے بلکہ ایسے مقامات میں جبکہ آنے والا واقعہ متکلم کی نگاہ میں یقینی الوقوع ہو☆ مضارع کو ماضی کے صیغہ پر لاتے ہیں تا اس امر کا یقینی الوقوع ہونا ظاہر ہو۔ اور قرآن شریف میں اس کی بہت نظیریں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَاِذَا ہُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰی رَبِّہِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ[1] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَاِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ[2]۔ قَالَ اللّٰہُ ہٰذَا یَوۡمُ یَنۡفَعُ الصّٰدِقِیۡنَ صِدۡقُہُمۡ[3] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخۡوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ[4] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَہَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمۡ حَقًّا قَالُوۡا نَعَمۡ[5] اور جیسا کہ فرماتا ہے تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ[6] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَی النَّارِ[7] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلٰی رَبِّہِمۡ قَالَ اَلَیۡسَ ہٰذَا بِالۡحَقِّ قَالُوۡا بَلٰی وَرَبِّنَا[8]۔ اب معترض صاحب

«۷»

☆ مثلاً جس شخص کو بہت سی زہر قاتل دی گئی ہو وہ کہتا ہے کہ میں تو مر گیا۔ اور ظاہر ہے کہ مر گیا ماضی کا صیغہ ہے مضارع کا صیغہ نہیں ہے۔ اس سے مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ میں مر جاؤں گا۔ اور مثلاً ایک وکیل جس کو ایک قوی اور کھلی کھلی نظیر فیصلہ چیف کورٹ کی اپنے مؤکل کے حق میں مل گئی ہے وہ خوش ہو کر کہتا ہے کہ بس اب ہم نے فتح پالی حالانکہ مقدمہ ابھی زیر تجویز ہے کوئی فیصلہ نہیں لکھا گیا۔ پس مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ ہم یقیناً فتح پالیں گے اسی لئے وہ مضارع کی جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ منہ

[1] یٰسٓ:۵۲ [2] المآئدۃ:۱۱۷ [3] المآئدۃ:۱۲۰ [4] الحجر:۴۸ [5] الاعراف:۴۵
[6] اللّھب:۲-۳ [7] الانعام:۲۸ [8] الانعام:۳۱

حوالہ سے ثابت ہوتا ہے مرزا قادیانی خود مانتا ہے کہ زیر بحث آیت کا تعلق آنے والے زمانے یعنی قیامت سے ہے۔

"اب **عیسیٰ** تو ہر گز نازل نہیں ہوگا کیونکہ جو اقرار اُس نے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے رو سے قیامت کے دن کرنا ہے اس میں صفائی سے اُس کا اعتراف پایا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا" (کشتی نوح، خزائن جلد 19 صفحہ 76)

روحانی خزائن جلد۱۹ ۷۶ کشتی نوح

رکھتے ہو تو ہم اِن دوفقروں پر اِس تقریر کو ختم کرتے ہیں۔ قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ[1] اندرونی تفرقہ اور پھوٹ کے زمانہ میں تمہارا فرضی مسیح اور فرضی مہدی کس کس پر تلوار چلائے گا کیا سنیوں کے نزدیک شیعہ اس لائق نہیں کہ اُن پر تلوار اُٹھائی جائے اور شیعوں کے نزدیک سنی اس لائق نہیں کہ ان سب کو تلوار سے نیست و نابود کیا جاوے پس جب کہ تمہارے اندرونی فرقے ہی تمہارے عقیدہ کی رو سے مستوجب سزا ہیں تو تم کس کس سے جہاد کرو گے مگر یاد رکھو کہ خدا تلوار کا محتاج نہیں وہ اپنے دین کو آسمانی نشانوں کے ساتھ زمین پر پھیلائے گا اور کوئی اُس کو روک نہیں سکے گا اور یاد رکھو کہ اب **عیسیٰ** تو ہر گز نازل نہیں ہوگا کیونکہ جو اقرار اُس نے آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي[2] کے رو سے قیامت کے دن کرنا ہے اس میں صفائی سے اُس کا اعتراف پایا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا اور قیامت کو اس کا یہی عذر ہے کہ عیسائیوں کے بگڑنے کی مجھے خبر نہیں اور اگر وہ قیامت کے پہلے دنیا میں آتا تو کیا وہ یہی جواب دیتا کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی کچھ خبر نہیں لہٰذا اس آیت میں اُس نے صاف اقرار کیا ہے کہ میں دوبارہ دنیا میں نہیں گیا اور اگر وہ قیامت سے پہلے دنیا میں آنے والا تھا اور برابر چالیس برس رہنے والا تب تو اُس نے خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولا کہ مجھے عیسائیوں کے حالات کی کچھ خبر نہیں اس کو تو کہنا چاہیے تھا کہ **آمد ثانی** کے وقت میں نے چالیس کروڑ کے قریب دنیا میں عیسائی پایا اور اُن سب کو دیکھا اور مجھے ان کے بگڑنے کی خوب خبر ہے اور میں تو انعام کے لائق ہوں کہ تمام عیسائیوں کو مسلمان کیا اور صلیبوں کو توڑا یہ کیسا جھوٹ ہے کہ عیسیٰ کہے گا کہ مجھے خبر نہیں غرض اس آیت میں نہایت صفائی سے مسیح کا اقرار ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا اور یہی سچ ہے کہ مسیح فوت ہو چکا اور سرینگر محلہ خانیار میں اُس کی قبر ہے☆۔ **اب خدا خود نازل ہوگا** اور ان لوگوں سے آپ لڑے گا جو سچائی سے لڑتے ہیں۔ خدا کا لڑنا قابل اعتراض نہیں کیونکہ وہ نشانوں کے رنگ میں ہے لیکن انسان کا لڑنا قابل اعتراض ہے کیونکہ وہ جبر کے رنگ میں ہے۔

☆ ایک یہودی نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ قبر واقعہ سری نگر یہودیوں کے انبیاء کی قبروں کی طرح بنی ہوئی ہے۔ دیکھو پرچہ علیحدہ حاشیہ۔ **منه**

[1] الکافرون: ۲، ۳ [2] المائدۃ: ۱۱۸

حوالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی اس سوال وجواب کا قیامت کے دن ہونا مان رہا ہے۔

''کیونکہ قرآن شریف کی انہی آیات سے ظاہر ہے کہ یہ سوال حضرت عیسیٰ سے قیامت کے دن ہوگا۔'' (حقیقۃ الوحی، خزائن جلد 22 صفحہ 33)

روحانی خزائن جلد۲۲ ۳۳ حقیقۃ الوحی

میں یہ باتیں کسی قیاس اور ظن سے نہیں کہتا بلکہ میں خدا تعالیٰ سے وحی پاکر کہتا ہوں اور میں اُس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اُسی نے مجھے یہ اطلاع دی ہے۔ وقت میری گواہی دیتا ہے۔ خدا کے نشان میری گواہی دیتے ہیں۔ ﴿۳۱﴾

ماسوا اس کے جبکہ قرآن شریف سے قطعی طور پر حضرت عیسیٰ کا وفات پا جانا ثابت ہے تو پھر اُن کے دوبارہ آنے کا خیال بدیہی البطلان ہے کیونکہ جو شخص آسمان پر مع جسم عنصری زندہ موجود ہی نہیں وہ کیونکر زمین پر دوبارہ آسکتا ہے۔

اگر کہو کہ کن آیات قرآن شریف سے قطعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے تو میں نمونہ کے طور پر اس آیت کی طرف آپ لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں جو قرآن شریف میں ہے یعنی یہ کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ[1] الخ۔ اِس جگہ اگر **توفّی** کے معنی مع جسم عنصری آسمان پر اُٹھانا تجویز کیا جائے تو یہ معنی تو بدیہی البطلان ہیں کیونکہ قرآن شریف کی انہی آیات سے ظاہر ہے کہ یہ سوال حضرت عیسیٰ سے قیامت کے دن ہوگا۔ پس اِس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ موت سے پہلے اس رفع جسمانی کی حالت میں ہی خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو جائیں گے اور پھر کبھی نہیں مریں گے کیونکہ قیامت کے بعد موت نہیں اور ایسا خیال ببداہت باطل ہے۔

علاوہ اس کے قیامت کے دن یہ جواب اُن کا کہ اُس روز سے کہ میں مع جسم عنصری آسمان پر اُٹھایا گیا مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد میری اُمت کا کیا حال ہوا۔ یہ اس عقیدہ کی رو سے صریح دروغ بے فروغ ٹھیرتا ہے جبکہ یہ تجویز کیا جائے کہ وہ قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئیں گے کیونکہ جو شخص دوبارہ دنیا میں آوے اور اپنی اُمت کی مشرکانہ حالت کو دیکھ لے بلکہ اُن سے لڑائیاں کرے اور اُن کی صلیب توڑے اور اُن کے خنزیر کو قتل کرے وہ کیونکر قیامت کے روز کہہ سکتا ہے کہ مجھے اپنی اُمت کی کچھ بھی خبر نہیں۔

اور خود یہ دعویٰ کہ **توفّی** کا لفظ جب حضرت عیسیٰ کی نسبت قرآن شریف میں آتا ہے

[1] المائدۃ :۱۱۸

مرزا قادیانی نے زیر بحث آیت کے حوالے سے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے یہ سوال قیامت کے دن کو گا۔

حوالہ جات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ سوال وجواب حضرت مسیح علیہ السلام سے بروز قیامت ہوں گے۔

عیسائی مسیح علیہ السلام کی وفات کے بعد گمراہ ہوئے۔

اعتراض

قادیانی کہتے ہیں آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی مسیح علیہ السلام کی وفات کے بعد گمراہ ہوئے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام قیامت کے دن اللہ کو فرمائیں گے کہ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ میں تو اسی وقت تک ان پر نگران تھا جب میں ان میں موجود تھا۔ لیکن جب میں فوت ہو گیا تو تو ہی ان کا نگران تھا ۔مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ سے ثابت ہوتا ہے مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں ۔

عیسائیوں کا گمراہ ہونا آپ بھی مانتے ہو ہم بھی مانتے ہیں اگر یہ مانا جائے کہ مسیح علیہ السلام زندہ ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عیسائی گمراہ نہیں ہوئے۔

جواب

آپ کا یہ کہنا کہ عیسائی مسیح علیہ السلام کی وفات کے بعد گمراہ ہوئے بغیر دلیل کے ہے،اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

آپ نے جو دلیل پیش کی ہے اس سے مسیح علیہ السلام کی وفات نہیں بلکہ آپ علیہ السلام کی حیات ثابت ہوتی ہے۔

آیت مبارکہ میں تو فرمایا گیا ہے کہ

وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ

جب تک میں ان میں تھا تب تک میں ان کا نگران تھا۔

آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی ہونا چاہیے جب مسیح علیہ السلام اپنی قوم میں نہ ہوں اور زندہ بھی ہوں

اسی لیے تو فرمایا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ جب تک ان میں تھا، اگر یہاں یہ کہنا مقصود ہوتا کہ جب تک میں زندہ تھا تو آپ یوں فرماتے مَا دُمْتُ حَيًّا جیسے سورۃ مریم میں نماز اور زکوٰۃ والے حکم میں فرمایا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا قیامت کے دن مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسیح علیہ السلام پر قیامت سے پہلے ایک دور ایسا ضرور آیا ہو گا جب آپ اپنی قوم میں موجود نہیں تھے اور زندہ تھے اور وہ دور آپ کا رفع آسمانی والا دور ہے۔

دوسری بات مرزا قادیانی کی عبارات سے ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام کی زندگی میں ہی عیسائی گمراہ ہو گئے تھے ملاحظہ فرمائیں

بقول مرزا قادیانی جب واقعہ قتل صلیب پیش آیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر 33 سال 6 مہینے تھی،

''واقعہ صلیبی حضرت مسیح کو تقریباً 33 سال اور 6 ماہ کی عمر میں پیش آیا۔'' (تحفہ گولڑویہ ص۱۲۷، خزائن ج۱۷ص ۳۱۱)،

روحانی خزائن جلد۱۷ ۳۱۱ تحفہ گولڑویہ

بلکہ جس طرح سویا ہوا آدمی دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے اور اس حالت میں بسا اوقات وفات یافتہ لوگوں سے بھی ملاقات کرتا ہے۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کشفی حالت میں اِس دنیا سے وفات یافتہ کے حکم میں تھے۔ ایسا ہی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک سوبیس [۱۲۰] برس عمر پائی ہے لیکن ہر ایک کو معلوم ہے کہ واقعہ صلیب اُس وقت حضرت عیسیٰ کو پیش آیا تھا جبکہ آپ کی عمر صرف تینتیس [۳۳] برس اور چھ مہینے کی تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ باقی ماندہ عمر بعد نزول پوری کر لیں گے تو یہ دعویٰ حدیث کے الفاظ سے مخالف ہے ماسوا اس کے حدیث سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود اپنے دعوے کے بعد چالیس برس دنیا میں رہے گا تو اس طرح پر تینتیس [۳۳] برس ملانے سے کل تہتّر [۷۳] برس ہوئے نہ ایک سوبیس [۱۲۰] برس حالانکہ حدیث میں یہ ہے کہ ایک سوبیس برس اُن کی عمر ہوئی۔

اور اگر یہ کہو کہ ہماری طرح عیسائی بھی مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں مسیح نے خود اپنی آمد ثانی کو الیاس نبی کی آمد ثانی سے مشابہت دی ہے۔ جیسا کہ انجیل متی ۱۷ باب آیت ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ ماسوا اس کے عیسائیوں میں سے بعض فرقے خود اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی الیاس نبی کی طرح بروزی طور پر ہے۔ چنانچہ نیولائف آف جیزس جلد اوّل صفحہ ۴۱۰ مصنفہ ڈی. ایف سڑاس میں یہ عبارت ہے:

(جرمن کے بعض عیسائی محققوں کی رائے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا)

Crucifiction they maintain, even if the feet as well as the hands are supposed to have been nailed occasions but very little loss of blood. It kills therefore only very slowly

اور وہ اس عمر میں صلیب سے نجات پا کر کشمیر چلے گئے۔

''جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ جو کنزالعمال میں ہے یعنی یہ کہ عیسی علیہ السلام صلیب سے نجات پاکر ایک سرد ملک کی طرف بھاگ گئے تھے یعنی کشمیر۔'' (تحفہ غزنویہ، خزائن جلد 15 صفحہ 540)

زجر اور توبیخ سے جواب دیا گیا تھا اور قرآن شریف میں اقتراحی نشانوں کے مانگنے والوں کو یہ جواب دیا گیا تھا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[1] یعنی خدا تعالیٰ کی شان اس تہمت سے پاک ہے کہ کسی اس کے رسول یا نبی یا ملہم کو یہ قدرت حاصل ہو کہ جو الوہیّت کے متعلق خارق عادت کام ہیں ان کو وہ اپنی قدرت سے دکھلائے اور فرمایا کہ ان کو کہہ دے کہ مَیں تو صرف آدمیوں میں سے ایک رسول ہوں جو اپنی طرف سے کسی کام کے کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ محض امر الٰہی کی پیروی کرتا ہوں۔ پھر مجھ سے یہ درخواست کرنا کہ یہ نشان دکھلا اور یہ نہ دکھلا سراسر حماقت ہے۔ جو کچھ خدا نے کہا وہی دکھلا سکتا ہوں نہ اور کچھ۔ اور انجیل میں خودتراشیدہ نشان مانگنے والوں کو صاف لفظوں میں حضرت مسیح مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے حرام کار لوگ مجھ سے نشان مانگتے ہیں ان کو بجز یونس نبی کے نشان کے اور کوئی نشان دکھلایا نہیں جائے گا یعنی نشان یہ ہوگا کہ باوجود دشمنوں کی سخت کوشش کے جو مجھے سولی پر ہلاک کرنا چاہتے ہیں مَیں یونس نبی کی طرح قبر کے پیٹ میں جو مچھلی سے مشابہ ہے زندہ ہی داخل ہوں گا اور زندہ ہی نکلوں گا اور پھر یونس کی طرح نجات پاکر کسی دوسرے ملک کی طرف جاؤں گا۔ یہ اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جیسا کہ اُس حدیث سے ثابت ہے کہ جو کنزالعمال میں ہے یعنی یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے نجات پاکر ایک سرد ملک کی طرف بھاگ گئے تھے یعنی کشمیر جس کے شہر سری نگر میں ان کی قبر موجود ہے۔ غرض جب حضرت مسیح سے ان کے دشمنوں نے نشان مانگا اور میاں عبدالحق کی طرح بعض خودتراشیدہ نشان پیش کئے کہ ہمیں یہ دکھلاؤ اور یہ دکھلاؤ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہی جواب تھا جو ابھی ہم نے تحریر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میاں عبدالحق کا ایسے اقتراحی نشان

﴿۱۰﴾

[1] بنی اسرائیل: ۹۴

اور وہاں ان کی وفات 125 سال یا 120 سال کی عمر میں ہوئی۔(مسیح ہندوستان میں، خزائن ج15 ص55،14)

﴿۱۲﴾ کروی شکل پر پیدا کر کے اپنے قانون قدرت میں یہ ہدایت منقوش کی کہ اس کی ذات میں کرویت کی طرح وحدت اور یک جہتی ہے اس لئے بسیط چیزوں میں سے کوئی چیز سہ گوشہ پیدا نہیں کی گئی یعنی جو کچھ خدا کے ہاتھ سے پہلے پہلے نکلا جیسے زمین، آسمان، سورج، چاند اور تمام ستارے اور عناصر وہ سب کروی ہیں جن کی کرویت توحید کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ سو عیسائیوں سے سچی ہمدردی اور سچی محبت اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ اس خدا کی طرف ان کو رہبری کی جائے جس کے ہاتھ کی چیزیں اس کو تثلیث سے پاک ٹھہراتی ہیں۔

اور مسلمانوں کے ساتھ بڑی ہمدردی یہ ہے کہ ان کی اخلاقی حالتوں کو درست کیا جائے اور ان کی ان جھوٹی امیدوں کو کہ ایک خونی مہدی اور مسیح کا ظاہر ہونا اپنے دلوں میں جمائے بیٹھے ہیں جو اسلامی ہدایتوں کی سراسر مخالف ہیں زائل کیا جائے۔ اور میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ حال کے بعض علماء کے یہ خیالات کہ مہدی خونی آئے گا اور تلوار سے اسلام کو پھیلائے گا یہ تمام خیالات قرآنی تعلیم کے مخالف اور صرف نفسانی آرزوئیں ہیں اور ایک نیک اور حق پسند مسلمان کے لئے ان خیالات سے باز آ جانے کے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کہ قرآنی ہدایتوں کو غور سے پڑھے اور ذرہ ٹھہر کر اور فکر اور سوچ سے کام لے کر نظر کرے کہ کیونکر خدائے تعالیٰ کا پاک کلام اس بات کا مخالف ہے کہ کسی کو دین میں داخل کرنے کے لئے قتل کی دھمکی دی جائے۔ غرض یہی ایک دلیل ایسے عقیدوں کے باطل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے لیکن تاہم میری ہمدردی نے تقاضا کیا کہ تاریخی واقعات وغیرہ روشن ثبوتوں سے بھی مذکورہ بالا عقائد کا باطل ہونا ثابت کروں۔ سو میں اس کتاب میں یہ ثابت کروں گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے اور نہ آسمان پر گئے اور نہ کبھی امید رکھنی چاہیے کہ وہ پھر زمین پر آسمان سے نازل ہوں گے بلکہ وہ ایک سو بیس برس کی عمر پا کر سرینگر کشمیر میں فوت ہو گئے اور سرینگر محلہ خان یار میں ان کی قبر ہے۔ اور میں نے صفائی بیان کے لئے اس تحقیق کو دس۱۰ باب اور ایک خاتمہ پر منقسم کیا ہے۔ (۱) اوّل وہ شہادتیں جو اس بارے میں انجیل سے ہم کو ملی ہیں۔ (۲) دوم وہ شہادتیں جو اس بارے میں

﴿۵۳﴾ یہی چاہا کہ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرنا ایک مشہور امر تھا اور امور بدیہیہ مشہودہ محسوسہ میں سے تھا اسی طرح تطہیر اور بریت بھی امور مشہودہ محسوسہ میں سے ہونی چاہیے۔ سو اب اسی کے موافق ظہور میں آیا یعنی تطہیر بھی صرف نظری نہیں بلکہ محسوس طور پر ہو گئی اور لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔ اور جیسا کہ گلگتہ یعنی سری کے مکان پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سری کے مکان پر یعنی سرینگر میں ان کی قبر کا ہونا ثابت ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں موقعوں میں سری کا لفظ موجود ہے۔ یعنی جہاں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر کھینچے گئے اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور جہاں انیسویں صدی کے اخیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ثابت ہوئی اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت کہ جو کشمیر کے علاقہ میں ہے یہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے۔ غالباً یہ شہر حضرت مسیح کے وقت میں بنایا گیا ہے اور واقعہ صلیب کی یادگار مقامی کے طور پر اس کا نام گلگت یعنی سری رکھا گیا۔ جیسا کہ لاسہ جس کے معنی ہیں معبود کا شہر۔ یہ عبرانی لفظ ہے اور یہ بھی حضرت مسیح کے وقت میں آباد ہوا ہے۔

اور احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ایک سو پچیس۱۲۵ برس کی ہوئی ہے۔ اور اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں دو ایسی باتیں جمع ہوئی تھیں کہ کسی نبی میں وہ دونوں جمع نہیں ہوئیں۔ (۱) ایک یہ کہ انہوں نے کامل عمر پائی یعنی ایک سو پچیس۱۲۵ برس زندہ رہے۔ (۲) دوم یہ کہ انہوں نے دنیا کے اکثر حصوں کی سیاحت کی۔ اس لئے نبی سیاح کہلائے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف تینتیس۳۳ برس کی عمر میں آسمان کی طرف اٹھائے جاتے تو اس صورت میں ایک سو پچیس۱۲۵ برس کی روایت صحیح نہیں

مرزا قادیانی نے یہ بھی لکھا کہ عیسائیت میں تثلیث اور دوسرے گمراہ کن عقائد کو داخل کرنے والا پولوس تھا، مطلب جب حضرت عیسی علیہ السلام کشمیر چلے گئے تو اس نے پیچھے سے یہ گمراہی پھیلا دی،

"ایک شریر یہودی پولوس نام اس شخص نے عیسائی مذہب میں بہت فساد ڈالا۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص ۳۷، خزائن ج ۱۱ ص ۳۲۱)

روحانی خزائن جلد ۱۱ | ۳۲۱ | ضمیمہ رسالہ انجام آتھم

﴿۳۷﴾

قبولؔ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ انسان میں اس سے زیادہ کوئی خوبی نہیں کہ تقویٰ کی راہ کو اختیار کر کے مامور من اللہ کی لڑائی سے پرہیز کرے اور اس شخص کی جلدی سے تکذیب نہ کرے جو کہتا ہے کہ میں مامور من اللہ ہوں اور محض تجدید دین کے لئے صدی کے سر پر بھیجا گیا ہوں۔ ایک متقی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اس چودھویں صدی کے سر پر جس میں ہزاروں حملے اسلام پر ہوئے ایک ایسے مجدد کی ضرورت تھی کہ اسلام کی **حقیّت** ثابت کرے۔ ہاں اس مجدد کا نام اس لئے مسیح ابن مریم رکھا گیا کہ وہ کسر صلیب کے لئے آیا ہے اور خدا اس وقت **چاہتا ہے** کہ جیسا کہ مسیح کو پہلے زمانہ میں **یہودیوں کی صلیب** سے نجات دی تھی اب **عیسائیوں کی صلیب سے** بھی اس کو نجات دے۔ چونکہ عیسائیوں نے انسان کو خدا بنانے کے لئے بہت کچھ افترا کیا ہے۔ اس لئے خدا کی غیرت نے چاہا کہ مسیح کے نام پر ہی ایک شخص کو مامور کر کے اس افترا کو نیست و نابود کرے۔ یہ خدا کا کام ہے اور لوگوں کی نظر میں عجیب۔

قرآن شریف صاف کہتا ہے کہ مسیح وفات پا کر آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ لہٰذا اس کا نزول **بروزی** ہے نہ کہ حقیقی اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي[1] میں صریح ظاہر کیا گیا ہے کہ واقعہ وفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام وقوع میں آ گیا۔ کیونکہ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بگڑیں گے نہ کہ ان کی زندگی میں۔ پس اگر فرض کر لیں کہ اب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے تو ماننا پڑے گا کہ عیسائی بھی اب تک نہیں بگڑے۔ اور یہ صریح باطل ہے بلکہ آیت تو بتلاتی ہے کہ عیسائی صرف مسیح کی زندگی تک حق پر قائم رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حواریوں کے عہد میں ہی خرابی شروع ہو گئی تھی۔ اگر حواریوں کا زمانہ بھی ایسا ہوتا کہ اس زمانہ میں بھی عیسائی حق پر قائم ہوتے تو خدا تعالیٰ اس آیت میں صرف مسیح کی زندگی کی قید نہ لگاتا بلکہ حواریوں کی زندگی کی بھی قید لگا دیتا۔ پس اس جگہ سے ایک نہایت عمدہ نکتہ عیسائیت کے زمانہ فساد کا معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ درحقیقت حواریوں کے زمانہ میں ہی عیسائی مذہب میں شرک کی تخم ریزی ہو گئی تھی۔ ایک شریر یہودی پولوس نام جو یونانی زبان سے بھی کچھ حصہ رکھتا تھا جس کا ذکر **مثنوی رومی** میں بھی ہے حواریوں میں آ ملا اور ظاہر کیا کہ میں نے عالم کشف میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ اس شخص نے عیسائی مذہب میں بہت فساد ڈالا آخر

[1] المائدۃ: ۱۱۸

ساتھ ہی لکھا ہے

"انجیل پر ابھی تیس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ بجائے خدا کی پرستش کے ایک عاجز انسان کی پرستش نے جگہ لے لی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا بنائے گئے اور تمام نیک اعمال چھوڑ کر ذریعہ معافی گناہ یہ ٹھہرا دیا کہ ان کے مصلوب ہونے اور خدا کا بیٹا ہونے پر ایمان لایا جائے۔" (چشمہ معرفت ص ۲۵۴، خزائن ج ۲۳ ص ۲۶۶)

آیا ہے اور اس وقت آیا ہے جبکہ دنیا خدا کے راہ کو بھول چکی تھی اور جن بیماروں کے لئے آیا اُن کو اس نے چنگا کر کے دکھلا دیا اور نہ توریت اور نہ انجیل وہ اصلاح کر سکی جو قرآن شریف نے کی۔ کیونکہ توریت کی تعلیم پر چلنے والے یعنی یہودی ہمیشہ بار بار بت پرستی میں پڑتے رہے چنانچہ تاریخ جاننے والے اس پر گواہ ہیں اور وہ کتابیں کیا باعتبار علمی تعلیم کے اور کیا باعتبار عملی تعلیم کے سراسر ناقص تھیں اس لئے اُن پر چلنے والے بہت جلد گمراہی میں پھنس گئے۔ انجیل پر ابھی تیس[۳۰] برس بھی نہیں گذرے تھے کہ بجائے خدا کی پرستش کے ایک عاجز انسان کی پرستش نے جگہ لے لی یعنی حضرت عیسیٰ خدا بنائے گئے اور تمام نیک اعمال کو چھوڑ کر ذریعہ معافی گناہ یہ ٹھیرا دیا کہ اُن کے مصلوب ہونے اور خدا کا بیٹا ہونے پر ایمان لایا جائے پس کیا یہی کتابیں تھیں جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کی بلکہ سچ تو یہ بات ہے کہ وہ کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک رڈی کی طرح ہو چکی تھیں اور بہت جھوٹ اُن میں ملائے گئے تھے جیسا کہ کئی جگہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ وہ کتابیں محرف مبدل ہیں اور اپنی اصلیت پر قائم نہیں رہیں چنانچہ اس واقعہ پر اس زمانہ میں بڑے بڑے محقق انگریزوں نے بھی شہادت دی ہے۔ پس جبکہ بائبل محرف مبدل ہو چکی تھی اور جو بائبل کے حامی تھے وہ بقول پادری فنڈل اور دوسرے محقق عیسائیوں کے اس زمانہ میں نہایت درجہ بدچلن ہو چکے تھے اور زمین پاپ اور گناہ سے بھر گئی تھی اور آسمان کے نیچے بجز معصیت اور مخلوق پرستی کے اور کوئی عمل نہ تھا اس طرف آریہ ورت بھی خراب ہو چکا تھا۔ اُس کے لئے پنڈت دیانند کی گواہی ستیارتھ میں کافی ہے اور قرآن شریف نے خود اپنے آنے کی ضرورت پیش کی ہے کہ اس زمانہ میں ہر ایک قسم کی بدچلنی اور بداعتقادی اور بدکاری زمین کے رہنے والوں پر محیط ہوگئی تھی تو اب خدا کا خوف کر کے سوچنا چاہیے کہ کیا باوجود جمع ہونے اتنی ضرورتوں کے پھر بھی خدا نے نہ چاہا کہ اپنے تازہ اور زندہ کلام سے

﴿۲۵۵﴾

مختصر یہ کہ مرزا قادیانی کے بقول مسیح علیہ السلام کی زندگی میں ہی عیسائی گمراہ ہو گئے تھے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسیح علیہ السلام کی زندگی میں ہی عیسائی گمراہ ہو گئے تھے تو قادیانی حضرات کا یہ دعویٰ کہ ''اگر مسیح علیہ السلام کو زندہ مانا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عیسائی گمراہ نہیں ہوئے'' کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔

قادیانی حضرات سے ایک سوال

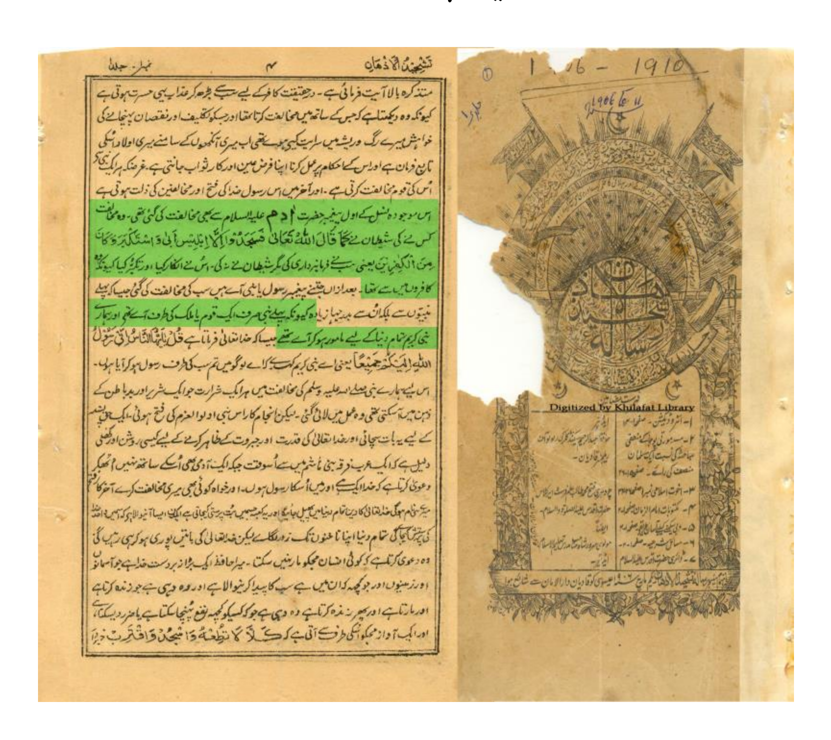
آپ بھی یہ مانتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کی زندگی کا ایک دور ایسا ہے جب آپ علیہ السلام زندہ تھے مگر اپنی قوم میں نہیں تھے، ہم بھی مانتے ہیں کہ آپ علیہ السلام زندہ ہیں مگر اپنی قوم میں نہیں ہیں۔

آپ کے اور ہمارے نظریے میں فرق اتنا ہے کہ

ہم کہتے ہیں آپ علیہ السلام آسمان میں زندہ موجود ہیں

آپ کہتے ہو آپ علیہ السلام کشمیر میں تھے

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مسیح کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء ایک قوم یا ملک کی طرف آتے تھے'' (رسالہ تشحیذ الاذہان مارچ 1906 صفحہ 4)


تشحیذ الاذہان ۴ نمبر۔ جلد

مندرجہ بالا آیت فرمائی ہے۔ درحقیقت کافر کے لیے سب سے بڑھ کر عذاب یہی حسرت ہوتی ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ جس کے ساتھ میں مخالفت کرتا تھا اور جسکو تکلیف اور نقصان پہنچانے کی خواہش میرے رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھی اب میری آنکھوں کے سامنے میری اولاد اُسکی تابع فرمان ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنا اپنا فرض عین اور کار ثواب جانتی ہے۔ غرضکہ ہر ایک نبی کی اُس کی قوم مخالفت کرتی ہے۔ اور آخر میں اس رسول خدا کی فتح اور مخالفین کی ذلت ہوتی ہے اس موجودہ نسل کے اول پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام سے بھی مخالفت کی گئی تھی۔ وہ مخالفت کس نے کی شیطان نے کما قال اللہ تعالیٰ فسجدوا الا ابلیس ابی و استکبر و کان من الکافرین یعنی سب نے فرمانبرداری کی مگر شیطان نے نہ کی۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا کیونکہ وہ کافروں میں سے تھا۔ بعد ازاں جتنے پیغمبر رسول یا نبی آئے ہیں سب کی مخالفت کی گئی جیسا کہ پہلے نبیوں سے بلکہ اُن سے بدرجہا زیادہ کیونکہ پہلے نبی صرف ایک قوم یا ملک کی طرف آتے تھے اور ہمارے نبی کریم تمام دنیا کے لیے مامور ہو کر آئے تھے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا یعنی اے نبی کریم کہدے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں۔ اس لیے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ہر ایک شرارت جو ایک شریر اور بدباطن کے ذہن میں آسکتی تھی وہ عمل میں لائی گئی۔ لیکن انجام کار اس نبی اولوالعزم کی فتح ہوئی۔ ایک حق پسند کے لیے یہ بات سچائی اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور جبروت کے ظاہر کرنے کے لیے کیسی روشن اور کھلی دلیل ہے کہ ایک غریب فرقہ بنی ہاشم میں سے اُسوقت جبکہ ایک آدمی بھی اُسکے ساتھ نہیں اُٹھکر دعویٰ کرتا ہے کہ خدا ایک ہے اور میں اُسکا رسول ہوں۔ اور خواہ کوئی بھی میری مخالفت کرے آخر کار فتح میری ہی ہوگی خدا تعالیٰ کا دین تمام دنیا میں پھیل جائیگا اور یہ کعبہ جسمیں بت پرستی کیجاتی ہے ایک ایسا آئینہ الٰہی ہو کہ جسمیں واحد اللہ کی پرستش کیجائیگی تمام دنیا اپنا ناخنوں تک زور لگائے لیکن خدا تعالیٰ کی باتیں پوری ہو کر ہی رہیں گی وہ دعویٰ کرتا ہے کہ کوئی انسان مجھکو مار نہیں سکتا۔ میرا حافظ ایک بڑا زبردست خدا ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ کہ ان میں ہے سب کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے وہ وہی ہے جو کہ کسیکو کچھ نفع پہنچا سکتا ہے یا ضرر دیسکتا ہے اور ایک آواز مجھکو اُنکی طرف سے آتی ہے کہ کلا لا تطعہ واسجد واقترب

رسولوں کو تبلیغ کا حکم ہوتا ہے، اگر یہ مانا جائے کہ مسیح علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ کر کشمیر چلے گئے تو اعتراض یہ ہوگا کہ آپ علیہ السلام نے خدا کے حکم کہ ''تبلیغ کرو'' کی نافرمانی کی، جو کہ مسیح علیہ السلام کی توہین ہے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ اہل کشمیر بھی بنی اسرائیل تھے تو جواب پہلے ہی لے لیں رسالہ تشحیذ الاذہان میں ہندوستانی قوموں کا الگ ہونا مانا گیا ہے۔ (تشحیذالاذہان ماہ ستمبر 1906 صفحہ 63)



ایڈیٹر صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد

جلد (۱) نمبر (۳)

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار
(۱) مسیح موعود صفحہ ۵۰-۷۹	چودھری محمد ضیاء الدین طالبعلم اسلامیہ کالج لاہور
(۲) اخوت اسلامی نمبر ۲ صفحہ ۷۹-۹۱	چودھری فتح محمد طالبعلم اسلامیہ کالج لاہور
(۳) نظم (جو پہلے کبھی شائع نہیں ہوئی) صفحہ ۹۱	حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام
(۴) میں کیوں خوش ہوں صفحہ ۹۲	"
(۵) ڈائری حضرت مسیح موعود	ایڈیٹر
(۶) مکتوبات امام الزمان سلمہ الرحمٰن	حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام
(۷) عربی سیکھنے کے لئے آسان طریقے	"
(۸) ضروری اطلاع و معذرت	منیجر
(۹) ریویو۔ ٹائٹل پیج صفحہ ج	ایڈیٹر

باہتمام منیجر رسالہ تشحیذ الاذہان یکم ستمبر ۱۹۰۶ء کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا۔

تشحیذ الاذہان نمبر ۳ جلد ۱ — ۶۳ — مسیح موعودؑ

اس بات کا موید نہیں تو یہ غلطی کسطرح واقع ہوئی۔ ہم بتا دیتے ہیں کہ یہاں ہندوستان ہی میں دیکھو کہ جو قومیں مسلمان ہوئی ہیں مثلاً راجپوت وغیرہ انمیں ابھی تک بعض ایسی رسمیں رائج ہیں جن رسومات کی وہ تبدیلئے مذہب کے پہلے عامل تھے۔ اور باوجود کئی پشتیں گذر جانیکے ابھی تک انہوں نے اپنے بعض قدیم اعتقادات نہیں چھوڑے۔ اسیطرح اسلام میں جب یہ عیسائی فوج در فوج داخل ہوئے تو یہ بعض اعتقاد اپنے ساتھ لائے اور آہستہ آہستہ وہ مسلمانوں میں پھیل گئے۔

قرآن شریف نے تو فلما توفیتنی کہکر ان کا کام تمام کر دیا۔ یعنے قیامت کے دن خدا تعالےٰ حضرت عیسےٰ سے سوال کریگا کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ تو حضرت عیسیٰ انکے جواب میں یہ فرماویں گے۔ تو تو پاک ہے میں کیونکر وہ بات کہوں جسکا مجھے حق نہیں اگر میں نے کہا ہوگا تو تحقیق تجھے معلوم ہوگا۔ تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے۔ اور میں نہیں جانتا جو تیرے دل میں ہے۔ تحقیق تو پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ میں نے ان کو کچھ نہیں کہا مگر جس کا تو نے مجھے حکم دیا۔ یہ کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ میں ان سے خبردار تھا جبتک میں انمیں رہا جب مجھے تو نے وفات دی تو تو ہی انپر نگہبان تھا۔ یہ حضرت عیسےٰ کا جواب ہے۔ اے میرے دوستو! غور تو کرو کہ یہ جواب اس صورت میں کیونکر درست ہوسکتا ہے جبکہ ہمارے مخالف مانتے ہیں کہ وہی حضرت عیسےٰ قیامت سے پہلے چالیس برس اگر زمین پر رہیں گے اور سوروں کو قتل کریں گے۔ اور صلیبوں کو توڑیں گے۔ اگر خدانخواستہ یہ عقیدہ صحیح مان لیا جائے تو اس سے حضرت عیسےٰ کا قیامت کے دن خدا کے سامنے جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہے۔ ان کو تو مندرجہ ذیل جواب دینا چاہئے تھا کہ اے خدا میں نے تو لوگوں کو نہیں کہا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ۔ انہوں نے از خود ہی یہ عقیدہ گھڑ لیا تھا جب میں آسمان سے اتر کر دوبارہ دنیا میں گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ یہ گندہ عقیدہ میری قوم نے بنایا ہوا ہے تو میں نے ان کو مارا اور انکی صلیبیں وغیرہ کو توڑا۔ اب آپ مجھ سے یہ سوال کیوں فرماتے ہیں۔ چونکہ وفات کا مضمون بجائے خود ایک بڑا بھاری مضمون ہے اسجگہ میں اسپر مفصل نہیں لکھ سکتا۔ ہاں ایک دو باتیں بتائے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ اور وہ یہ ہیں کہ مخالف لوگ فوراً ما قتلوہ و ما صلبوہ والی آیت پیش کر کے کہدیتے ہیں کہ تم تو پھر مانتے ہو صلیب دیئے گئے۔ سو واضح خاطر عاطر ہو کہ ہم ایسا ہرگز نہیں مانتے

مختصر یہ کہ آپ کے نظریے ''مسیح علیہ السلام اپنی قوم اور خدا کے حکم تبلیغ کو چھوڑ کر کشمیر چلے گئے'' سے مسیح علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے۔

جبکہ ہمارے نظریے کہ "مسیح علیہ السلام آسمان میں زندہ موجود ہیں" سے کوئی توہین نہیں ہوتی کیونکہ مسیح علیہ السلام خود آسمان پر نہیں گئے اللہ نے آپ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا ہے۔

عیسائیوں کی گمراہی کا علم مسیح علیہ السلام کو نہیں ہے

قادیانی کہتے ہیں کہ اسی سوال سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو عیسائیوں کی گمراہی کا علم نہیں ہے اگر آپ کہو کہ مسیح علیہ السلام کو عیسائیوں کی گمراہی کا علم ہوگا تو آپ علیہ السلام کا یہ کہنا جھوٹ ہوگا۔

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ * بِحَقٍّ ؕ

وہ کہیں گے : ہم تو آپ کی ذات کو (شرک سے) پاک سمجھتے ہیں۔ میری مجال نہیں تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نزول نہیں فرمائیں گے کیونکہ اگر آپ علیہ السلام نازل ہو جائیں تو آپ کو عیسائیوں کی گمراہی کا علم ہو جائے گا اور آپ کو جواب جھوٹ ہو جائے گا وغیرہ۔

جواب

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان آیات میں سوال جو حضرت مسیح علیہ السلام سے کیا جائے گا وہ یہ ہے کہ کیا آپ نے اپنی قوم کو یہ تعلیم دی کہ وہ آپ علیہ السلام کو اور آپ علیہ السلام کی والدہ کو معبود بنالیں ؟

یہ سوال نہیں ہے کہ کیا آپ اپنی قوم کے غلط عقائد سے واقف تھے یا نہیں ؟

نہ ہی مسیح علیہ السلام کے جواب میں یہ بات ہے کہ میں اپنے ماننے والوں کے غلط عقائد سے واقف ہی نہیں تھا، آپ علیہ السلام نے یہ بات کہیں نہیں فرمائی۔ قادیانی حضرات کا یہ کہنا کہ آپ علیہ السلام یہ فرما رہے ہیں کہ "میں اپنے ماننے والوں کے غلط عقائد سے واقف ہی نہیں" جھوٹ اور دجل ہے۔

دوسری بات اگر آپ کا دعویٰ من وان مان لیں تو مرزا قادیانی کا کیا کریں گے ؟

مرزا قادیانی نے یہ مانا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو اپنی قوم کے غلط عقائد کی خبر دے دی گئی ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں

”میرے پر یہ کشفاً ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہر ناک ہوا جو عیسائی قوم میں پھیل گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر دی گئی۔“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۵۴، خزائن ج ۵ ص ایضاً)

﴿۲۵۴﴾ نہیں تو خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور حدیثوں کے وہ معنے کرو جو ہو سکتے ہیں واقعات موجودہ کو نظر انداز مت کرو تا تم پر کھل جائے کہ یہ تمام ضلالت وہی سخت دجّالیت ہے جس سے ہر یک نبی ڈراتا آیا ہے جس کی بنیاد اس دنیا میں عیسائی مذہب اور عیسائی قوم نے ڈالی جس کے لئے ضرور تھا کہ مجدّد وقت مسیح کے نام پر آوے کیونکہ بنیاد فساد مسیح کی ہی امت ہے اور میرے پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی حضرت عیسیٰ کو اس کی خبر دی گئی تب ان کی روح روحانی نزول کے لئے حرکت میں آئی اور اس نے جوش میں آکر اور اپنی امت کو ہلاک☆ کا مفسدہ پرداز پاکر زمین پر اپنا قائم مقام اور شبیہہ چاہا جو اس کا ایسا ہم طبع ہو کہ گویا وہی ہو سو اس کو خدائے تعالیٰ نے وعدہ کے موافق ایک شبیہ عطا کی اور اس میں مسیح کی ہمت اور سیرت

بقیہ حاشیہ

پر جو مجاہدات سے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈ ھتے ہیں ظاہر ہو جاتا ہے۔ غرض جو بات مومنوں کی معمولی سمجھ سے برتر ہے اس کے دریافت کرنے کی یہ راہ نہیں ہے کہ وہ فرقہ ضالہ فلاسفروں کے دست نگر ہوں اور گم گشتہ سے راہ پوچھیں بلکہ ان کے لئے صدق اور صبر سے عرفان کا مرتبہ عطا کیا جاتا ہے جس مرتبہ پر پہنچ کر تمام عقدے ان کے حل ہو جاتے ہیں۔

اِس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بے دل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلّت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائے گا۔ حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں۔ کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔ میں شکر نعمت کے

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ”ہلاکت“ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

''خدا تعالیٰ نے اس عیسائی فتنہ کے وقت میں یہ فتنہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دکھایا۔ یعنی ان کو آسمان پر اس فتنہ کی اطلاع دے دی کہ تیری امت اور تیری قوم نے اس طوفان کو برپا کیا ہے... تب وہ نزول کے لئے بے قرار ہوا۔'' (آئینہ کمالات ص ۲۶۸، خزائن ج ۵ ص ایضاً)

روحانی خزائن جلد ۵ — ۲۶۸ — آئینہ کمالات اسلام

﴿۲۶۸﴾

جگہ دیتا ہے۔ اور میرے فضل سے نومید مت ہو۔ یوسف کو دیکھ اور اس کے اقبال کو۔ فتح کا وقت آ رہا ہے اور فتح قریب ہے۔ مخالف یعنی جن کے لئے تو بہ مقدر ہے اپنی سجدہ گاہوں میں گریں گے کہ اے ہمارے خدا ہمیں بخش کہ ہم خطا پر تھے آج تم پر کوئی سرزنش نہیں خدا تمہیں بخش دے گا اور وہ ارحم الراحمین ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ ایک اپنا خلیفہ زمین پر مقرر کروں تو میں نے آدم کو پیدا کیا جو نجی الاسرار ہے ہم نے ایسے دن اس کو پیدا کیا جو وعدہ کا دن تھا۔ یعنی جو پہلے سے پاک نبیؐ کے واسطہ سے ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ فلاں زمانہ میں پیدا ہوگا اور جس وقت پیدا ہوگا فلاں قوم دنیا میں اپنی سلطنت اور طاقت میں غالب ہوگی اور فلاں قسم کی مخلوق پرستی روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہوگی اسی زمانہ میں وہ موعود پیدا ہوا اور وہ

بقیہ حاشیہ

بنیاد فساد اور زمین میں دجّالیت کی نجاست پھیلانے والے تھے اور اصلیت سے بگڑ کر دجال اکبر بن گئے تھے اور چونکہ اس اترنے والے کے لئے یہ موقعہ نہ ملا کہ وہ کچھ روشنی زمین والوں سے حاصل کرتا یا کسی کی بیعت یا شاگردی سے فیضیاب ہوتا بلکہ اس نے جو کچھ پایا آسمان کے خدا سے پایا اسی وجہ سے اس کے حق میں نبی معصوم کی پیشگوئی میں یہ الفاظ آئے کہ وہ آسمان سے اترے گا یعنی آسمان سے پائے گا زمین سے کچھ نہیں پائے گا اور حضرت عیسٰی کے نام پر اس عاجز کے آنے کا سرّ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس عیسائی فتنہ کے وقت میں یہ فتنہ حضرت مسیح کو دکھایا یعنی ان کو آسمان پر اس فتنہ کی اطلاع دے دی کہ تیری قوم اور تیری امت نے اس طوفان کو برپا کیا ہے تب وہ اپنی قوم کی خرابی کو کمال فساد پر دیکھ کر نزول کے لئے بے قرار ہوا اور اس کی روح سخت جنبش میں آئی اور اس نے زمین پر اپنی ارادات کا ایک مظہر چاہا تب خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کے موافق جو کیا گیا تھا مسیح کی روحانیت اور اس کے جوش کو ایک جوہر قابل میں نازل کیا سو ان معنوں کر کے وہ آسمان سے اترا اسی کے موافق **جو ایلیا** نبی

ان حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ بقول مرزا قادیانی حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی قوم کے غلط عقائد کا علم قیامت سے پہلے ہو گا۔

اب قادیانی حضرات بتائیں کہ اگر آپ کے بقول "مسیح علیہ السلام کو ان کی قوم کے غلط عقائد کا علم ہے" یہ ماننے سے مسیح علیہ السلام کے جواب کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے تو مرزا قادیانی نے یہ بات کرر کھی ہے۔

اس لیے ثابت ہوا کہ یہ نظریہ رکھنا کہ "مسیح علیہ السلام کو عیسائیوں کے غلط عقائد کا علم قیامت سے پہلے ہو گا" سے مسیح علیہ السلام کے جواب کا جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا۔

نہیں تو مرزا قادیانی کے بارے میں ماننا پڑے گا کہ اس نے مسیح علیہ السلام کو جھوٹا کہہ کر کفر کیا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسیح علیہ السلام کو عیسائیوں کے غلط عقائد کا علم قیامت سے پہلے تھا اور یہ بات ماننے سے آپ علیہ السلام کے جواب کا جھوٹا ہونا بھی لازم نہیں آتا تو قادیانی حضرات کا یہ اعتراض کہ نزول مسیح ماننے سے مسیح علیہ السلام کا جواب جھوٹا ثابت ہوتا ہے بھی صاف ہو گیا۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کا معنی

قادیانی کہتے ہیں آیت میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي آیا ہے جس کا معنی ہے جب تو نے مجھے موت دے دی تب تو ہی ان پر نگران تھا وغیرہ

جواب

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ بقول مرزا

عیسائیوں کا عقیدہ مسیح علیہ السلام کی زندگی مبارک میں ہی بگڑ گیا تھا۔

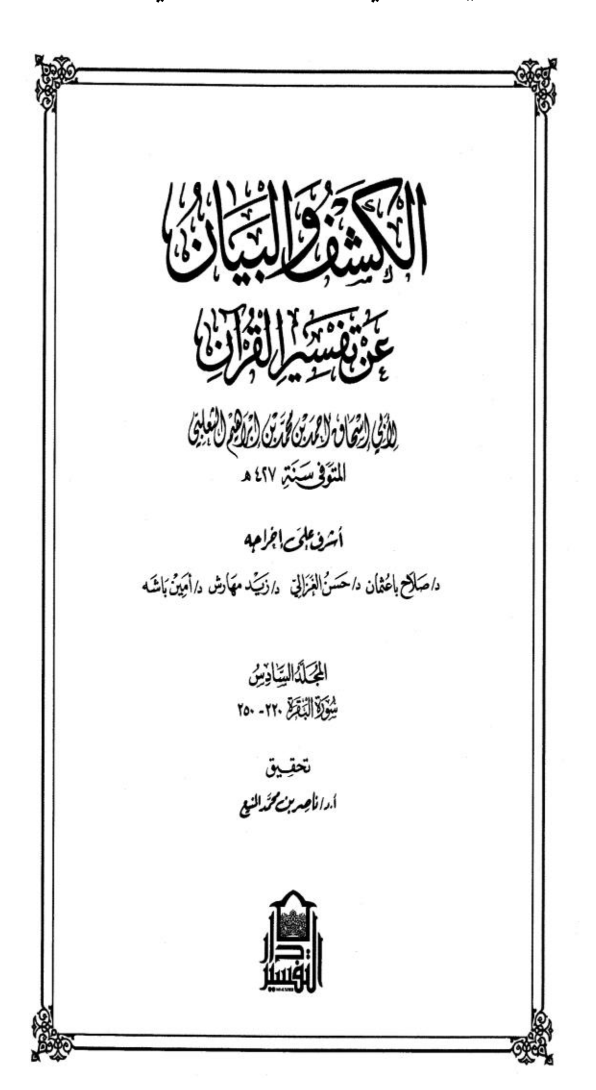
آپ علیہ السلام کو قیامت سے پہلے ہی عیسائیوں کے بگاڑ کا علم ہو گا۔

اس لیے جو قادیانی حضرات فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ؕ سے اوپر والی دو چیزوں میں سے کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے مرزا صاحب کا گریبان پکڑیں ۔

دوسری بات فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے آج تک کسی ایک متفقہ مفسر نے وفات مسیح ثابت نہیں کی ، اگر آپ اس کے خلاف مدعی ہیں تو دلیل لائیں۔

تیسری بات توفی کا حقیقی معنی موت نہیں ہوتا، توفی کا معنی ہوتا ہے أَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا، کسی چیز کو پورا پورا لے لینا، حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں

وأصل التوفي أخذ الشيء وافيا. (تفسير الثعلبي = الكشف والبيان عن تفسير القرآن (2/184)



الاسترضاع عن تراض واتفاق دون الضرار[١]. فذلك قوله تعالى: (﴿مَآ ءَاتَيْتُم﴾ قرأ[٢] ابن كثير: (أتيتم) بالقصر، وكذلك الذي في الروم: (ما أتيتم من ربا)[٣]. الباقون بالمد)[٤]. ﴿بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾.

٢٣٤ قوله ﷻ: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ﴾

أي: يقبضون ويموتون، (وأصل التوفي)[٥]: أخذ الشيء وافيًا. وقرأ علي بن أبي طالب ﷺ بفتح الياء[٦]؛ أي: يَتوفَّون أعمارهم[٧] وأرزاقهم[٨]. وتوفى واستوفى بمعنىً واحد.

﴿وَيَذَرُونَ﴾ ويتركون ﴿أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ﴾.

---

(١) «جامع البيان» للطبري ٢/ ٥٠٩، «معاني القرآن» للزجاج ١/ ٣١٤.
(٢) في (ز): قراءة.
(٣) آية رقم (٣٩).
(٤) ما بين القوسين ساقط من (ش)، (ح)، (أ).
«السبعة» لابن مجاهد (ص١٨٣)، «الحجة» لابن زنجلة (ص١٣٧)، «النشر في القراءات العشر» لابن الجزري ٢/ ٢٢٨.
(٥) في (ح): والتوفي.
(٦) عزاها إليه ابن جني في «المحتسب» ١/ ١٢٥، وابن خالويه في «مختصر في شواذ القرآن» (ص٢٢)، والنحاس في «معاني القرآن الكريم» ١/ ٢٢٢، والكرماني في «شواذ القراءة» (٤٠أ)، وأبو حيان في «البحر المحيط» ٢/ ٢٣٢.
(٧) في (ح): أعمالهم.
(٨) «المحتسب» لابن جني ١/ ١٢٥، «الكشاف» للزمخشري ١/ ٢٨٢، «إعراب القراءات الشواذ» للعكبري ١/ ٢٥٣.

ومعنى التوفي: أخذ الشيء وافيا، (التفسير الوسيط للواحدي (1 / 343)

وقوله ﴿وإن[1] أردتم أن تسترضعوا أولادكم﴾ أي: لأولادكم[2] وحذفت اللام اكتفاء بدلالة الاسترضاع، لأنه لا يكون إلا للأولاد[3].

والمعنى: وإن أردتم أن تسترضعوا لأولادكم مراضع غير الوالدة[4] [﴿فلا جناح عليكم﴾][5] فلا إثم عليكم ﴿إذا سلمتم ما ءاتيتم بالمعروف﴾ قال مجاهد والسدي[6] إذا سلمتم إلى الأم أجرتها بمقدار ما أرضعت.

وقرأ ابن كثير «ما أتيتم» بقصر الألف، ومعناه: ما فعلتم، يقال: أتيت جميلاً أي: فعلته قال زهير[7]:

وما يك من خير أتوه فإنما توارثه آباء آبائهم قبل

يعني: فعلوه وقصدوه. ويكون التسليم على هذه القراءة بمعنى: الطاعة والانقياد لا بمعنى تسليم الأجرة، والمعنى ﴿إذا سلمتم﴾ للاسترضاع[8] عن تراض واتفاق.

وهذا معنى قول ابن عباس في رواية عطاء، قال: إذا سلمت أمه ورضي أبوه، لعل له غنى يشتري له مرضعاً[9].

ثم أوصى بالتقوى فقال ﴿واتقوا الله واعلموا أن الله بما تعملون بصير﴾ أي: فلا[10] يترك جزاء شيء من أعمالكم، لأنه بصير بها.

قوله تعالى: ﴿والذين يتوفون منكم﴾ أي: يموتون ويقبضون، ومعنى «التوفي» أخذ الشيء وافياً، يقال: توفى الشي واستوفاه﴿ويذرون﴾[11] يتركون ولا يستعمل منه الماضي ولا المصدر ومثله ـ أيضاً ـ يَدَع في رفض مصدره وماضيه[12].

وقوله ﴿أزواجاً﴾ أي: نساء ﴿يتربصن بأنفسهن﴾ أي: ينتظرن ويحبسن أنفسهم عن[13] التزوج[14] ﴿أربعة أشهر وعشراً﴾ ومعنى الآية: بيان عدة المتوفى[14] عنها زوجها، وأنها تعتد من حين وفاة الزوج[15] أربعة أشهر وعشراً، وذكرت[16] «العشر» بلفظ التأنيث والمراد بها الأيام: تغليبا لليالي على الأيام، وذلك أن ابتداء الشهر يكون بالليل.

---

(١) في (د): فإن.
(٢) في (هـ): ولادكم.
(٣) انظر التبيان ١/١٨٦ والبيان ١/١٦٠.
(٤) في (د): غير الوالدة بالمعروف.
(٥) إضافة للبيان.
(٦) قرأ ابن كثير (ما أتيتم) بقصر الألف، أي ما جئتم وفي الكلام حذف والمعنى: إذا سلمتم ما أتيتم به وقرأ الباقون بالمد أي: أعطيتم وحجتهم (إذا سلمتم) لأن التسليم لا يكون إلا مع الإعطاء.
(انظر الحجة لأبي زرعة ١٣٧، والسبعة ١٨٣ والنشر ٢/٢٢٨ والتبيان ١/١٨٦، والحجة لابن خالويه ٩٧).
(٧) زهير بن أبي سلمى ـ ربيعة ـ بن رباح المزني من مضر، حكيم الشعراء في الجاهلية قال ابن الأعرابي: كان لزهير في الشعر ما لم يكن لغيره كان أبوه شاعراً وخاله شاعراً وابناه كعب وبجير شاعرين وأخته الخنساء شاعرة مات سنة ١٣ قبل الهجرة (الأعلام ٣/٨٧).
والبيت في ديوانه ص ١١٥ بلفظ «فما بك» ومقدمة ديوانه ص ١٥، والبحر ٢/٢١٨، والقرطبي ٣/١٧٣.
توارثه: يعني ورثه كابر عن كابر، والقصيدة في هرم بن سنان بن أبي حارثة الحارث بن عوف بن أبي حارثة المري.
(٨) في (د): الاسترضاع.
(٩) انظر البحر ٢/٢١٩ والطبري ٥/٧٣ وفتح القدير ١/٢٤٧ كلها عن قتادة والزهري.
(١٠) في (د): ولا يترك.
(١١) في (د): أي يتركون.
(١٢) انظر (اللسان / وذر) عن ابن السكيت والليث وابن سيدة.
(١٣) في (هـ): علي.
(١٤) في (جـ، د): التزويج... المتوفا.
(١٥) في (حـ): الزوج أي ينتظرن ويحبسن أنفسهن عن التزويج أربعة أشهر.
(١٦) في (هـ): وذكر.

الوسيط في تفسير القرآن المجيد

تأليف
أبي الحسن علي بن أحمد الواحدي النيسابوري
المتوفى سنة ٤٦٨هـ

تحقيق وتعليق
الشيخ عادل أحمد عبد الموجود
الشيخ علي محمد معوض
الدكتور أحمد محمد صيرة
الدكتور أحمد عبد الغني الجمل
الدكتور عبد الرحمن عويس

قدمه وقرظه
الأستاذ الدكتور عبد الحي الفرماوي
كلية أصول الدين - جامعة الأزهر

الجزء الأول
المحتوى
سورة الفاتحة ـ سورة آل عمران

دار الكتب العلمية
بيروت ـ لبنان

وَمَعْنَى التَّوَفِّي: أَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا، (تفسير البغوي – إحياء التراث (1 / 314)

﴿وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِىٓ أَنفُسِهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾﴾

﴿**وتشاور**﴾ أي يشاورون أهل العلم به حتى يخبروا أن الفطام في ذلك الوقت لا يضر بالولد، والمشاورة استخراج الرأي ﴿**فلا جناح عليهما**﴾ أي لا حرج عليهما في الفطام قبل الحولين ﴿**وإن أردتم أن تسترضعوا أولادكم**﴾ أي لأولادكم مراضع غير أمهاتهم إذا أبت أمهاتهم أن يرضعنهم أو تعذر لعلة بهن، أي: انقطاع لبن أو أردن النكاح ﴿**فلا جناح عليكم إذا سلمتم**﴾ إلى أمهاتهم ﴿**ما آتيتم**﴾ ما سميتم لهن من أجرة الرضاع بقدر ما أرضعن، وقيل إذا سلمتم أجور المراضع إليهن بالمعروف، قرأ ابن كثير ﴿**ما آتيتم**﴾ وفي الروم «وما أتيتم من ربا» (٣٩ ـــ الروم) بقصر الألف ومعناه ما فعلتم يقال: أتيت جميلًا إذا فعلته، فعلى هذه القراءة يكون التسليم بمعنى الطاعة والانقياد لا بمعنى تسليم الأجرة يعني إذا سلمتم لأمره وانقدتم لحكمه، وقيل إذا سلمتم للاسترضاع عن تراض واتفاق دون الضرار ﴿**واتقوا الله واعلموا أن الله بما تعملون بصير**﴾.

قوله تعالى: ﴿**والذين يتوفون منكم**﴾ أي يموتون وتتوفى آجالهم، وتوفى واستوفى بمعنى واحد، **ومعنى** التوفي أخذ الشيء وافياً ﴿**ويذرون أزواجاً**﴾ يتركون أزواجاً ﴿**يتربصن**﴾ ينتظرن ﴿**بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً**﴾ أي يعتددن بترك الزينة والطيب والنقلة على فراق أزواجهن هذه المدة إلا أن يَكُنَّ حوامل فعدتهن بوضع الحمل، وكانت عدة الوفاة في الابتداء حولاً كاملاً لقوله تعالى: «والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجاً وصية لأزواجهم متاعاً إلى الحول غير إخراج» (٢٤٠ ـــ البقرة) ثم نسخت بأربعة أشهر وعشر.

قال ابن أبي نجيح عن مجاهد: كانت هذه العدة يعني أربعة أشهر وعشراً واجبة عند أهل زوجها فأنزل الله تعالى: ﴿**متاعاً إلى الحول**﴾ فجعل لها تمام السنة سبعة أشهر وعشرين ليلة وصية إن شاءت سكنت في وصيتها وإن شاءت خرجت وهو قول الله عز وجل: «غير إخراج، فإن خرجن فلا جناح عليكم فيما فعلن» (٢٤٠ ـــ البقرة) فالعدة كما هي واجبة عليها.

وقال: عطاء قال: ابن عباس رضي الله عنهما: نسخت هذه الآية عدتها عند أهله وسكنت في وصيتها وإن شاءت خرجت، قال عطاء: ثم جاء الميراث فنسخ السكنى **فتعتدّ** حيث شاءت ولا سكنى لها ويجب عليها الإحداد في عدة الوفاة، وهي أن تمتنع من الزينة والطيب فلا يجوز لها تدهين رأسها بأي دهن سواء كان فيه طيب أو لم يكن، ولها تدهين جسدها بدهن لا طيب فيه، فإن كان فيه طيب فلا يجوز، ولا يجوز لها أن تكتحل بكحل فيه طيب أو فيه زينة كالكحل الأسود ولا بأس بالكحل الفارسي

تفسير البغوي

«معالم التنزيل»

للإمام محيي السنة أبي محمد الحسين بن مسعود البغوي

(المتوفى - ٥١٦هـ)

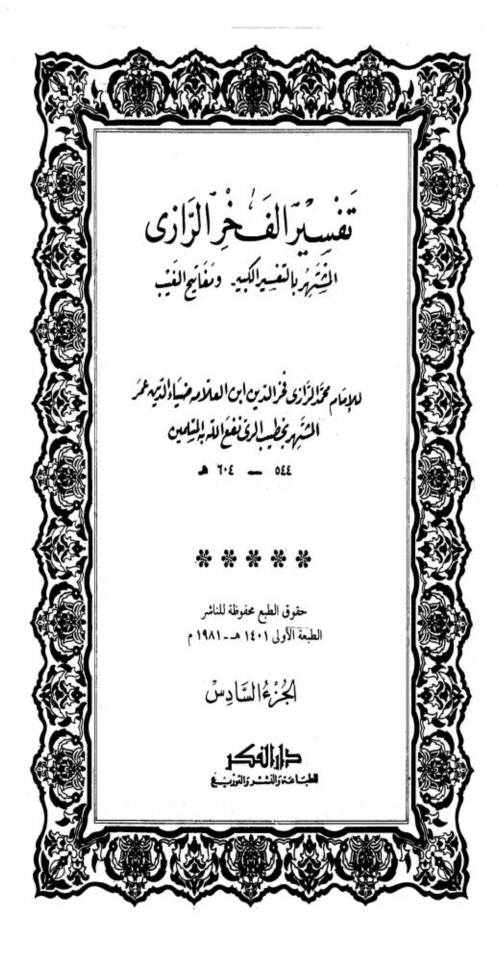
المجلد الأول

حققه وخرج أحاديثه

محمد عبد الله النمر عثمان جمعة ضميرية سليمان مسلم الحرش



وَأَصْلُ التَّوَفِّي أَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا كَامِلًا، (تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير (6 / 465)



تَفْسِيرُ الفَخْرِ الرَّازِي

المُشتَهِر بالتفسير الكبير ومفاتيح الغيب

للإمام محمد الرازي فخر الدين ابن العلامة ضياء الدين عمر

المشتهر بخطيب الري نفع الله به المسلمين

٥٤٤ — ٦٠٤ هـ

* * * * *

الطبعة الأولى ١٤٠١ هـ - ١٩٨١ م

الجُزءُ السَّادِسُ

دار الفكر
للطباعة والنشر والتوزيع

تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾

وعشراً فاذا بلغن أجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف والله بما تعملون خبير ﴾ وفيه مسائل :

﴿ المسألة الأولى ﴾ يتوفون معناه يموتون ويقبضون قال الله تعالى (الله يتوفى الأنفس حين موتها) وأصل التوفي أخذ الشيء وافياً كاملاً ، فمن مات فقد وجد عمره ، وافياً كاملاً ، ويقال : توفي فلان ، وتوفي إذا مات ، فمن قال : توفي . كان معناه قبض وأخذ ومن قال : توفي . كان معناه توفي أجله واستوفى أكله وعمره وعليه قراءة على عليه السلام يتوفون بفتح الياء .

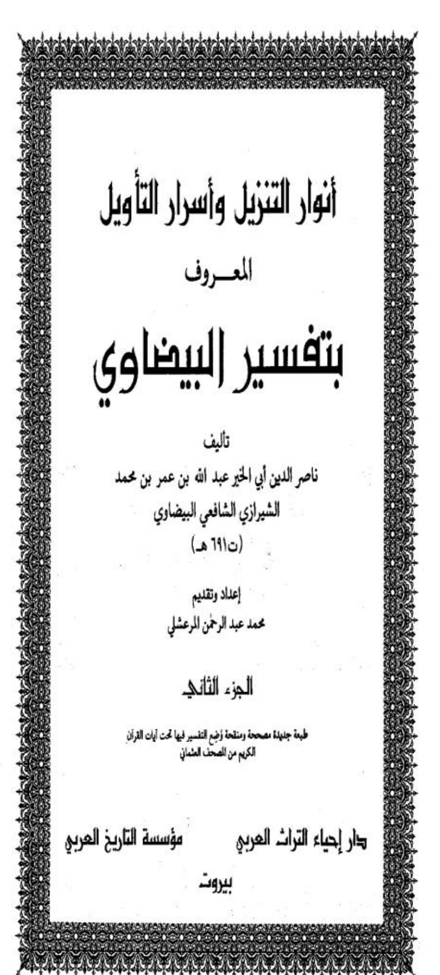
وأما قوله (ويذرون) معناه : يتركون ، ولا يستعمل منه الماضي ولا المصدر استغناء عنه يترك تركاً ، ومثله يدع في رفض مصدره وماضيه ، فهذان الفعلان العابر والأمر منهما موجودان ، يقال : فلان يدع كذا ويذر ويقال : دعه وذره أما الماضي والمصدر فغير موجودين منهما والأزواج ههنا النساء والعرب تسمى الرجل زوجاً وامرأته زوجاً له ، وربما ألحقوا بها الهاء .

﴿ المسألة الثانية ﴾ قوله (والذين) مبتدأ ولا بد له من خبر ، واختلفوا في خبره على أقوال : (الأول) أن المضاف محذوف والتقدير ، وأزواج الذين يتوفون منكم يتربصن (والثاني) وهو قول الأخفش التقدير : يتربصن بعدهم إلا أنه أسقط لظهوره كقوله : السمن منوان بدرهم وقوله تعالى (ولمن صبر وغفر إن ذلك لمن عزم الأمور) (والثالث) وهو قول المبرد : والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجاً ، أزواجهم يتربصن ، قال : وإضمار المبتدأ ليس بغريب قال تعالى (قل أفأنبئكم بشر من ذلكم النار) يعني هو النار ، وقوله (فصبر جميل) .

فإن قيل : أنتم أضمرتم ههنا متبدأ مضافاً ، وليس ذلك شيئاً واحداً بل شيئان ، والأمثلة التي ذكرتم المضمر فيها شيء واحد .

قلنا : كما ورد إضمار المبتدأ المفرد ، فقد ورد أيضاً إضمار المبتدأ المضاف ، قال تعالى

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي بالرفع إلى السماء لقوله: إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرافِعُكَ والتوفي أخذ الشيء وافياً.(تفسير البيضاوي = أنوار التنزيل وأسرار التأويل (2/151)


أنوار التنزيل وأسرار التأويل
المعروف
بتفسير البيضاوي
تأليف
ناصر الدين أبي الخير عبد الله بن عمر بن محمد
الشيرازي الشافعي البيضاوي
(ت٦٩١ هـ)
إعداد وتقديم
محمد عبد الرحمن المرعشلي
الجزء الثاني
طبعة جديدة مصححة ومنقحة وضع التفسير فيها تحت آيات القرآن الكريم من المصحف العثماني
دار إحياء التراث العربي مؤسسة التاريخ العربي
بيروت

﴿وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَـٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَـٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ قَالَ سُبْحَـٰنَكَ مَا يَكُونُ لِىٓ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِى بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُۥ فَقَدْ عَلِمْتَهُۥ تَعْلَمُ مَا فِى نَفْسِى وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِى نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّـٰمُ ٱلْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾﴾

﴿وَإِذْ قَالَ الله يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوني وَأُمّي إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ الله﴾ يريد به توبيخ الكفرة وتبكيتهم، ومن دون الله صفة لإلهين أو صلة اتخذوني، ومعنى دون إما المغايرة فيكون فيه تنبيه على أن عبادة الله سبحانه وتعالى مع عبادة غيره كلا عبادة، فمن عبده مع عبادتهما كأنه عبدهما ولم يعبده أو القصور، فإنهم لم يعتقدوا أنهما مستقلان باستحقاق العبادة وإنما زعموا أن عبادتهما توصل إلى عبادة الله سبحانه وتعالى وكأنه قيل: اتخذوني وأمي إلهين متوصلين بنا إلى الله سبحانه وتعالى. ﴿قَالَ سُبْحَانَكَ﴾ أنزهك تنزيهاً من أن يكون لك شريك. ﴿مَا يَكُونُ لي أَنْ أَقُولَ مَا لَيسَ لي بِحَقٍ﴾ ما ينبغي لي أن أقول قولاً لا يحق لي أن أقوله. ﴿إِنْ كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلاَ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ تعلم ما أخفيه في نفسي كما تعلم ما أعلنه، ولا أعلم ما تخفيه من معلوماتك. وقوله في نفسك للمشاكلة وقيل المراد بالنفس الذات. ﴿إِنَّكَ أَنتَ عَلاَّمُ الغُيُوبِ﴾ تقرير للجملتين باعتبار منطوقه ومفهومه.

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِى بِهِۦٓ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّى وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِى كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾﴾

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلاَّ مَا أَمَرْتَني بِهِ﴾ تصريح بنفي المستفهم عنه بعد تقديم ما يدل عليه. ﴿أَنِ اعْبُدُوا الله رَبي وَرَبَّكُمْ﴾ عطف بيان للضمير في به، أو بدل منه وليس من شرط البدل جواز طرح المبدل منه مطلقاً ليلزم بقاء الموصول بلا راجع، أو خبر مضمر أو مفعوله مثل هو أو أعني، ولا يجوز إبداله من ما أمرتني به فإن المصدر لا يكون مفعول القول ولا أن تكون أن مفسرة لأن الأمر مسند إلى الله سبحانه وتعالى، وهو لا يقول اعبدوا الله ربي وربكم والقول لا يفسر بل الجملة تحكي بعده إلا أن يؤول القول بالأمر فكأن قيل: ما أمرتهم إلا بما أمرتني به أن ﴿اعبدوا الله﴾. ﴿وَكُنت عَلَيهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ أي رقيباً عليهم أمنعهم أن يقولوا ذلك ويعتقدوه، أو مشاهداً لأحوالهم من كفر وإيمان. ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيتَني﴾ بالرفع إلى السماء لقوله: ﴿إني متوفيك ورافعك﴾ والتوفي أخذ الشيء وافياً، والموت نوع منه قال الله تعالى: ﴿الله يتوفى الأنفس حين موتها والتي لم تمت في منامها﴾. ﴿كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيهِمْ﴾ المراقب لأحوالهم فتمنع من أردت عصمته من القول به بالإرشاد إلى الدلائل والتنبيه عليها بإرسال الرسل وإنزال الآيات. ﴿وَأَنتَ عَلَى كُلِّ شَيءٍ شَهِيدٍ﴾ مطلع عليه مراقب له.

﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنهم عِبَادُكَ﴾ أي إن تعذبهم فإنك تعذب عبادك ولا اعتراض على المالك المطلق فيما يفعل بملكه، وفيه تنبيه على أنهم استحقوا ذلك لأنهم عبادك وقد عبدوا غيرك. ﴿وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ﴾ فلا عجز ولا استقباح فإنك القادر القوي على الثواب والعقاب، الذي لا يثيب ولا يعاقب إلا عن حكمة وصواب فإن المغفرة مستحسنة لكل مجرم، فإن عذبت فعدل وإن غفرت ففضل. وعدم غفران الشرك بمقتضى الوعيد فلا امتناع فيه لذاته ليمنع الترديد والتعليق بأن.

﴿قَالَ ٱللَّهُ هَـٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ ٱلصَّـٰدِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّـٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾ لِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌۢ ﴿١٢٠﴾﴾

وأصل التوفي أخذ الشيء وافيا.(تفسير الخازن = لباب التأويل في معاني التنزيل (1/ 167)

تفسير الخازن

المسمى

لباب التأويل في معاني التنزيل

تأليف

علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم البغدادي

الشهير بالخازن

المتوفى سنة ٧٢٥ هـ

ضبطه وصححه

عبد السلام محمد علي شاهين

الجزء الأول

المحتوى

سورة الفاتحة ـ سورة النساء

منشورات

محمد علي بيضون

دار الكتب العلمية

بيروت ـ لبنان

بذلك ولا ينفق عليه الأب أو ينزعه من أمه فيضره بذلك، فعلى هذا تكون الباء صلة، والمعنى لا تضار والدة ولدها ولا أب ولده ﴿**وعلى الوارث مثل ذلك**﴾ يعني وعلى وارث أبي الولد إذا مات مثل ما كان يجب عليه من النفقة والكسوة فيلزم وارث الأب أن يقوم مقامه في القيام بحق الولد. وقيل: المراد بالوارث وارث الصبي الذي لو مات الصبي ورثه فعلى هذا الوارث مثل ما كان على أبي الصبي في حال حياته، واختلف في أي وارث هو فقيل هم عصبة الصبي كالجد والأخ والعم وابنه. وقيل: هو كل وارث له من الرجال والنساء، وبه قال أحمد: فيجبرون على نفقة الصبي كل على قدر سهمه منه. وقيل هو من كان ذا رحم محرم منه وبه قال أبو حنيفة. وقيل المراد بالوارث الصبي نفسه، فعلى هذا تكون أجرة رضاع الصبي في ماله فإن لم يكن له مال فعلى الأم ولا يجبر على نفقة الصبي غير الأبوين، وبه قال مالك والشافعي. وقيل معناه وعلى الوارث ترك المضارة ﴿**فإن أرادا**﴾ يعني الوالدين ﴿**فصالاً**﴾ يعني فطام الولد قبل الحولين ﴿**عن تراض منهما**﴾ أي على اتفاق من الوالدين في ذلك ﴿**وتشاور**﴾ أي يشاورون أهل العلم في ذلك حتى يخبروا أن الفطام قبل الحولين لا يضر بالولد، والمشاورة استخراج الرأي بما فيه مصلحة ﴿**فلا جناح عليهما**﴾ أي فلا حرج ولا إثم على الوالدين في الفطام قبل الحولين إذا لم يضر بالولد ﴿**وإن أردتم أن تسترضعوا أولادكم**﴾ أي لأولادكم مراضع غير أمهاتهم إذا أبت أمهاتهم إرضاعهم أو تعذر ذلك لعلة بهن من انقطاع لبن أو غير ذلك أو أردن التزويج ﴿**فلا جناح عليكم إذا سلمتم**﴾ يعني إلى المراضع ﴿**ما آتيتم**﴾ يعني لهن من أجرة الرضاع وقيل إذا سلمتم إلى أمهاتهم من أجرة الرضاع بقدر ما أرضعن ﴿**بالمعروف**﴾ أي بالإحسان والإجمال أمروا أن يكونوا عند تسليم الأجرة مستبشري الوجوه ناطقين بالقول الجميل مطيبين لأنفس المراضع بما أمكن حتى يؤمن من تفريطهن بقطع معاذيرهن ﴿**واتقوا الله**﴾ يعني وخافوا الله فيما فرض عليكم من الحقوق وفيما أوجب عليكم لأولادكم ﴿**واعلموا أن الله بما تعملون بصير**﴾ يعني لا يخفى عليه خافية من جميع أعمالكم سرها وعلانيتها، فإنه تعالى يراها ويعلمها. قوله عز وجل:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾

﴿**والذين يتوفون**﴾ يعني يموتون ﴿**منكم**﴾ وأصل التوفي أخذ الشيء وافياً، فمن مات فقد استوفى عمره كاملاً، ويقال توفي فلان يعني قبض وأخذ ﴿**ويذرون**﴾ أي ويتركون ﴿**أزواجاً**﴾ والمراد بالأزواج هنا النساء لأن العرب تطلق اسم الزوج على الرجل والمرأة ﴿**يتربصن**﴾ أي ينتظرن ﴿**بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً**﴾ يعني قدر هذه المدة وإنما قال عشراً بلفظ التأنيث لأن العرب إذا أبهمت في العدد من الليالي والأيام غلبوا الليالي حتى إن أحدهم ليقول: صمت عشراً من الشهر لكثرة تغليبهم الليالي على الأيام فإذا أظهروا الأيام قالوا صمنا عشرة أيام وقيل إن هذه الأيام أيام حزن ولبس إحداد فشبهها بالليالي على سبيل الاستعارة ووجه الحكمة في أن الله تعالى حد العدة بهذا القدر لأن الولد يركض في بطن أمه لنصف مدة الحمل، يعني يتحرك. وقيل: إن الروح ينفخ في الولد في هذه العشرة أيام، ويدل على ذلك ما روي عن ابن مسعود قال: حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق: «إن خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يوماً نطفة، ثم يكون علقة مثل ذلك، ثم يكون مضغة مثل ذلك، ثم يبعث الله إليه ملكاً يكتب رزقه وأجله وعمله وشقي أو سعيد، ثم ينفخ فيه الروح» أخرجاه في الصحيحين بزيادة، فدل هذا الحديث على أن خلق الولد يجتمع في مدة أربعة أشهر ويتكامل خلقه بنفخ الروح فيه في هذه الأيام الزائدة.

فصل: في حكم عدة المتوفى عنها زوجها والإحداد. وفي مسائل

المسألة الأولى: عدة المتوفى عنها زوجها أربعة أشهر وعشر وعدة الأمة على نصف عدة الحرة شهران

وأصل التوفي أخذ الشيء وافياً كاملاً. (اللباب في علوم الكتاب (4/ 189)

اللباب في علوم الكتاب

تأليف

الإمام المفسّر أبي حفص عمر بن عليّ

ابن عادل الدّمشقي الحنبلي

المتوفّى بعد سنة ٨٨٠هـ

تحقيق وتعليق

الشيخ عادل أحمد عبد الموجود — الشيخ علي محمّد معوّض

شارك في تحقيقه برسالته الجامعيّة

الدكتور محمّد سعد رمضان حسن / الدكتور محمّد المتولي الدسوقي حرب

الجزء الرّابع

المحتوى:

الآية (٢١٧) من سورة البقرة - آخر سورة البقرة



سورة البقرة/ الآية: ٢٣٤ ـــــــ ١٨٩

وأنكر المبرد والزجاج ذلك؛ قالا: لأن مجيء المبتدأ بدون الخبر محال، وليس هذا موضع البحث في هذا المذهب ودلائله.

الثاني: أنَّ له خبراً اختلفوا فيه على وجوه:

أحدها: أنه «يَتَرَبَّصْنَ»، ولا بدَّ من حذفٍ يصحِّحُ وقوعَ هذه الجملة خبراً عن الأول؛ لخلوِّها من الرابط، والتقدير: وأزواجُ الَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ يَتَرَبَّصْنَ؛ ويدلُّ على هذا المحذوف قوله: «وَيذَرُونَ أَزْوَاجاً» فحذف المضاف وأقيم المضاف إليه مقامه لتلك الدلالة عليه. والتقدير: يتربَّصن بعدهم، أو بعد موتهم، قاله الأخفش[1].

وثالثها: أنَّ «يَتَرَبَّصْنَ» خبرٌ لمبتدأ محذوفٍ، التقدير: أزواجهم يتربَّصْنَ، وهذه الجملة خبرٌ عن الأوَّل، قاله المبرِّد.

ورابعها: أنَّ الخبر محذوفٌ بجملته قبل المبتدأ، تقديره: فيما يتلى عليكم حكم الذين يتوفَّون، ويكون قوله «يَتَرَبَّصْنَ» جملةً مبيِّنَةً للحكم، ومفسِّرة له، فلا موضع لها من الإعراب، ويعزى هذا لسيبويه.

قال ابن عطيَّة: وَحَكَى المَهْدَوِيُّ عن سيبويه أنَّ المعنى: «وَفِيمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُم الذين يُتَوَفَّوْنَ»، ولا أعرفُ هذا الذي حكاه؛ لأنَّ ذلك إنما يتَّجه إذا كان في الكلام لفظ أمرٍ بعد المبتدأ، نحو قوله تعالى: ﴿وَٱلسَّارِقُ وَٱلسَّارِقَةُ فَٱقْطَعُوٓاْ﴾ [المائدة: ٣٨] ﴿ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِي فَٱجْلِدُواْ﴾ [النور: ٢] وهذه الآية فيها معنى الأمر، لا لفظه، فتحتاج مع هذا التقدير إلى تقدير آخر يستغنى عنه إذا حضر لفظ الأمر.

وخامسها: أن بعض الجملة قام مقام شيء مضافٍ إلى عائدِ المبتدأ، والتقدير: «والَّذِينَ يُتوفَّوْنَ مِنكُمْ ويَذَرُون أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصُ أَزْوَاجُهُمْ» فحذف «أَزْوَاجُهُمْ» بجملته، وقامت النون التي هي ضمير الأزواج مقامهنَّ بقيد إضافتهنَّ إلى ضمير المبتدأ.

وقال القرطبيُّ: المعنى: والرِّجَالُ الَّذِينَ يَمُوتُونَ مِنكُمْ» «وَيَذَرُونَ» ـ أي: يتركون ـ «أَزْوَاجاً» ـ أي: ولهم زوجاتٌ ـ فالزَّوجات «يَتَرَبَّصْنَ» قال معناه الزَّجَّاج واختاره النَّحاس، وحذف المبتدأ في القرآن كثيرٌ، قال تعالى: ﴿قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ ٱلنَّارُ﴾ [الحج: ٧٢] أي هو النَّار.

وقرأ الجمهور «يُتَوَفَّوْنَ» مبنياً لما لم يسمَّ فاعله، ومعناه: يموتون ويقبضون؛ قال تعالى: ﴿ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾ [الزمر: ٤٢]، وأصل التوفي أخذ الشيء وافياً كاملاً، فمن مات، فقد وجد عمره وافياً كاملاً.

---

(١) ينظر معاني القرآن: ١/ ١٧٦.

أن التَّوفِّيَ اخذ الشيء وافياً. (اللباب في علوم الكتاب (5/266)

اللُّبَاب في عُلُوم الكِتَاب

تأليف

الإمام المفسّر أبي حفص عمر بن عليّ ابن عادل الدمشقي الحنبلي المتوفى بعد سنة ۸۸۰ هـ

تحقيق وتعليق

الشيخ عادل أحمد عبد الموجود — الشيخ علي محمد معوض

شارك في تحقيقه برسالته الجامعية

الدكتور محمد سعد رمضان حسن / الدكتور محمد المتولي الدسوقي حرب

الجزء الخامس

المحتوى:

أول سورة آل عمران - الآية (١٥٤) من سورة آل عمران

منشورات محمد علي بيضون

دار الكتب العلمية

بيروت - لبنان

أن أبا البقاء حمل التوفي على الموت، وذلك إنما هو بَعْدَ رَفْعِه، ونزوله إلى الأرض، وحُكمِه بِشريعة محمد ﷺ كما ثبت في الحديثِ. فعلى الأول ففيه وجوهٌ:

أحدها: إني متمم عمرك، وإذا تَمَّ عمرُك فحينئذٍ أتوفَّاك كما قدمناه.

الثاني: إني مُميتُك، والمقصود منه ألا يصل أعداؤه من اليهود إلى قتله. وهو مروي عن ابن عبَّاسٍ ومحمد بن إسحاق، وهؤلاء اختلفوا على ثلاثة أوجهٍ:

الأول: قال وَهْبٌ: تُوفِّي ثلاثَ ساعاتٍ، ثم رُفِع وأحْيِيَ[١].

الثاني: قال محمد بن إسحاق: توفي سبع ساعات، ثم أحياه الله ورفعه[٢].

الثالث: قال الربيع بن أنس: إنه ـ تعالى ـ أنامه حال رفعه إلى السماء[٣]، قال تعالى ﴿ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾ [الزمر: ٤٢].

وثالثها: أن الواو لا تفيد الترتيب، فالأمر فيه موقوف على الدليل، وقد ثبت أنه حي، وأنه ينزل ويقتل الدجال ثم يتوفاه الله بعد ذلك.

رابعها: إني متوفيك عن شهواتك، وحظوظ نفسك، فيصير حاله كحال الملائكة ـ في زوال [الشهوات][٤] والغضب والأخلاق الذميمة ـ.

خامسها: أن التَّوفِّيَ أخذ الشيء وافياً، ولما علم الله أن من الناس من يخطر بباله أن الذي رفعه الله هو رُوحهُ، لا جَسَدُهُ، ذكر ذلك؛ ليدل على أنه ـ عليه السلام ـ رفع بتمامه إلى السماء ـ بروحه وجسده.

وسادسها: إني متوفيك، أي جاعلك كالمتوفى؛ لأنه إذا رفع إلى السماء، وانقطع خبره، وأثره عن الأرض كان كالمتوفى، وإطلاق اسم الشيء على ما يشابهه في أكثر خواصه وصفاته جائز حسن.

وسابعها: أن التوفِّي هو القبض، يقال: فلان وفاني دراهمي، ووافاني، وتوفيتها منه، كما يقال سلم فلان دراهمي إلي، وتسلمتها منه. فإن قيل: فعلى هذا يكون التوفي في عين الرفع، فيصير قوله: ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ تكراراً، فالجواب: أن قوله ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ يدل على حُصُولِ التَّوفِّي، وهو جنس تحته أنواع، بعضها بالموتِ وبعضُها بالإصعادِ، فلما قال: ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ صار تعييناً للنوع، فلم يكن تكراراً.

ثامنها: أن يقدر حذف مضاف، أي: متوفي عملك، بمعنى مستوفي عملك،

---

(١) أخرجه الطبري في «تفسيره» (٦/ ٤٥٧) عن وهب بن منبه وذكره القرطبي في «تفسيره» (٤/ ٦٤) وزاد نسبته لابن أبي حاتم.

(٢) أخرجه الطبري في «تفسيره» (٦/ ٤٥٨) عن ابن إسحاق.

(٣) أخرجه الطبري في «تفسيره» (٦/ ٤٥٥) عن الربيع بن أنس.

(٤) في أ: الشهوة.

التوفي أخذ الشيء وافيا أي آخذك بروحك وبجسدك جميعا (تفسير النيسابوري = غرائب القرآن ورغائب الفرقان (2/171)

﴿وجزاء سيئة سيئة مثلها﴾ [الشورى: ٤٠] أو بأنه تعالى عاملهم معاملة من يمكر وهو عذابهم على سبيل الاستدراج. وإن كان المكر عبارة عن التدبير المحكم الكامل لم يكن اللفظ متشابهاً لأنه غير ممتنع في حق الله إلا أنه قد اختص في العرف بالتدبير في إيصال الشر إلى الغير. **﴿إذ قال الله﴾** ظرف لخير الماكرين أو لمكر الله أو مفعول اذكر **﴿يا عيسى إني متوفيك﴾ أي متمم عمرك وعاصمك من أن يقتلك الكفار الآن بل أرفعك إلى سمائي** وأصونك من أن يتمكنوا من قتلك. وقيل: متوفيك أي مميتك كيلا يصل أعداؤك من اليهود إلى قتلك ثم رافعك إليّ. وهذا القول مروي عن ابن عباس ومحمد بن إسحق. ثم قال وهب: توفي ثلاث ساعات ثم رفع وأحيي. وقال محمد بن إسحق. توفي سبع ساعات ثم أحياه الله ورفعه. وقال الربيع بن أنس: إنه نومه ورفعه إلى السماء نائماً حتى لا يلحقه خوف ورعب. أخذه من قوله ﴿الله يتوفى الأنفس حين موتها والتي لم تمت في منامها﴾ [الزمر: ٤٢]. وقيل: التوفي أخذ الشيء وافياً أي آخذك بروحك وبجسدك جميعاً فرافعك إلي دفعاً لوهم من يتوهم أنه أخذ بروحه دون جسده. وقيل: متوفيك قابضك من الأرض من توفيت مالي على فلان أي استوفيته. وقيل: أجعلك كالمتوفى لأنه إذا رفع إلى السماء انقطع خبره وأثره عن الأرض فيكون من باب إطلاق الشيء على ما يشابهه في أكثر خواصه وصفاته. وقيل: المضاف محذوف أي متوفي عملك ورافع طاعتك فكأنه بشره بقبول طاعته وأن ما وصل إليه من المتاعب في تمشية دينه وإظهار شريعته فهو لا يضيع أجره، فهذا كقوله: ﴿إليه يصعد الكلم الطيب والعمل الصالح يرفعه﴾ [فاطر: ١٠] وقيل: في نسق الكلام تقديم وتأخير. فإن الواو لا تقتضي الترتيب. والمعنى إني رافعك إلي ومتوفيك بعد إنزالك إلى الدنيا. ويؤيده ما ورد في الخبر أنه سينزل ويقتل الدجال، ثم إنه تعالى يتوفاه بعد ذلك. أما قوله **﴿ورافعك إليّ﴾** فالمشبهة تمسكوا بمثله في إثبات المكان لله تعالى وأنه في السماء، لكن الدلائل القاطعة دلت على أنه متعال عن الحيز والجهة فوجب حمل هذا الظاهر على التأويل بأن المراد إلى محل كرامتي ومقر ملائكتي ومثله قول إبراهيم: ﴿إني ذاهب إلى ربي﴾ [الصافات: ٩٩] وإنما ذهب من العراق إلى الشام، وقد سمي الحجاج زوّار الله، والمجاورون جيران الله. والمراد التفخيم والتعظيم، أو المراد إلى مكان لا يملك الحكم عليه هناك غير الله فإن في الأرض ملوكاً مجازية. ولئن سلم أنه تعالى يمكن أن يكون في مكان فليس رفع عيسى عليه السلام إلى ذلك المكان سبباً لبشارته ما لم يتيقن الثواب والكرامة والروح والراحة، فلا بد من صرف اللفظ عن ظاهره وهو أن يقال: المراد رفعه إلى محل كرامته، وإذا لم يكن بد من الإضمار فلم يبق في الآية دلالة على إثبات المكان له تعالى. ثم إنه كما عظم شأنه بلفظ الرفع إليه، عبر لذلك عن معنى التخليص بلفظ التطهير

تفسير غرائب القرآن ورغائب الفرقان

تأليف

العلامة نظام الدين الحسن بن محمد بن حسين القمي النيسابوري

ضبطه وخرج آياته وأحاديثه
الشيخ زكريا عميرات

المجلد الثاني
الأجزاء ٣-٦



والتوفّي أخذ الشيء وافياً(السراج المنير (408 / 1)

(انك انت علام الغيوب) تقرير لجملتي تعلم ما في نفسي ولا أعلم ما في نفسك باعتبار منطوق انك أنت علام الغيوب ومفهومه لانه يدل بمنطوقه على أنه تعالى لا يعلم الغيب غيره فيكون تقريرا لقوله تعالى ولا أعلم ما في نفسك وقرأ حمزة وشعبة بكسر الغين والباقون بالضم (ماقلت لهم الا ما أمرتني به) وهو (أن اعبدوا الله ربي وربكم) أي فانا واياهم في العبودية سواء (وكنت عليهم شهيدا) أي رقيبا أمنعهم مما يقولون (مادمت فيهم فلما توفيتني) بالرفع الى السماء لقوله تعالى اني متوفيك ورافعك الي والتوفي أخذ الشي وافيا والموت نوع منه قال الله تعالى الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها (كنت أنت الرقيب) أي الحفيظ (عليهم) أي لاعمالهم (وأنت على كل شئ) من قولي وقولهم وغير ذلك (شهيد) أي مطلع عالم به (ان تعذبهم) أي من أقام على الكفر منهم (فانهم عبادك) وأنت مالكهم تتصرف فيهم كيف شئت لا اعتراض عليك (وان تغفر لهم) أي لمن آمن منهم (فانك أنت العزيز) أي الغالب على أمره (الحكيم) في صنعه فان عذبت فعدل وان عفوت فتفضل (قال الله) تعالى (هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم) أي في الدنيا كعيسى فان النافع ما كان حال التكليف لا صدقهم في الآخرة وقرأ نافع بنصب الميم على انه ظرف لقال وخبر هذا محذوف والمعنى هذا الذي من كلام عيسى عليه السلام واقع يوم ينفع والباقون بالرفع على الخبر وقيل أراد بالصادقين النبيين وقال الكلبي ينفع المؤمنين ايمانهم وقال قتادة متكلمان يخطبان يوم القيامة عيسى عليه الصلاة والسلام وهو ماقص الله تعالى وعدو الله ابليس وهو قوله تعالى وقال الشيطان لما قضي الامر فصدق عدو الله يومئذ وكان كاذبا فلم ينفعه صدقه قال ولما كان عيسى صادقا في الدنيا والآخرة نفعه صدقه * ثم بين تعالى ثوابهم فقال (لهم جنات تجري من تحتها الانهار خالدين فيها) وأكد معنى ذلك بقوله تعالى (أبدا) ولما كان ذلك لا يتم الا برضا الله تعالى قال (رضي الله عنهم) بطاعته (ورضوا عنه) بثوابه (ذلك) أي هذا الامر العلي لا غيره (الفوز العظيم) وأما الكاذبون في الدنيا فلا ينفعهم صدقهم في ذلك اليوم كالكفار لما يؤمنون عند رؤية العذاب (لله ملك السموات والارض) أي خزائن المطر والنبات والرزق وغيرها (وما فيهن) من انس وجن وملك وغيرهم ملكا وخلقا وأتى بما دون من تغليبا لغير العاقل (وهو على كل شئ قدير) ومنه اثابة الصادق وتعذيب الكاذب قال السيوطي وخص العقل ذاته فليس عليها بقادر وقول البيضاوي عن النبي صلى الله عليه وسلم من قرأ سورة المائدة أعطي من الاجر عشر حسنات ومحي عنه عشر سيآت ورفع له عشر درجات بعدد كل يهودي ونصراني يتنفس في الدنيا حديث موضوع

(سورة الانعام مكية)

روي أنها نزلت بمكة جملة واحدة ليلا ونزل معها سبعون ألف ملك قد سدوا ما بين الخافقين لهم زجل بالتسبيح والتحميد والتمجيد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم سبحان ربي العظيم وخر

ساجدا

الجزء الاول من السراج المنير في الاعانة
على معرفة بعض معاني كلام ربنا
الحكيم الخبير للشيخ الامام
الخطيب الشربيني قدس
الله روحه ونور ضريحه
آمين

واصل التوفى أخذ الشيء وافيا كاملا (روح البيان (1 / 366)

ومن ثمه لما دخل الشيخ ابن محمد الجوينى بيته ووجد ابنه الامام ابا المعالى يرتضع ثدى غير امه اختطفه منها ثم نكس رأسه ومسح بطنه وادخل اصبعه فى فيه ولم يزل يفعل ذلك حتى خرج ذلك اللبن قائلا يسهل على موته ولا تفسد طباعه بشرب لبن غير امه ثم لما كبر الامام كان اذا حصلت له كبوة فى المناظرة يقول هذه من بقايا تلك الرضعة ﴿ واتقوا الله ﴾ فى شأن مراعاة الاحكام المذكورة فى امر الاطفال والمراضع ﴿ واعلموا ان الله بما تعملون بصير ﴾ فيجازيكم بذلك. وفيه من الوعيد والتهديد ما لايخفى : قال الحسين الكاشى

كر برهنه بره برون آيى * زود در تهمت جنون آيى
جامهٔ ظاهرى كه نيست ببر * توفضيحت شوى ميان بشر
فكر آن كن كه بى لباس ورع * چه كنى درمقام هول وفزع
خويشتن درلباس تقوى دار * تاشوى دردوكون برخوردار

والآية مشتملة على تمهيد قواعد الصحبة وتعظيم محاسن الاخلاق فى احكام العشرة بل انها اشتملت على شيوع الرحمة والشفقة على البرية فان من لايرحم لايرحم قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لمن ذكر انه لمن يقبل اولاده (ان الله لا ينزع الرحمة الا من قلب شقى وفى الحديث (حب الاولاد ستر من النار وكراماتهم جواز على الصراط والاكل معهم برآءة من النار) وفى الحديث (اربع نفقات لايحسب العبد بهن يوم القيامة نفقة على ابويه ونفقة على افطاره ونفقة على سحوره ونفقة على عياله) واللطف والمرحمة ممدوح جدا عموما وخصوصا وفى الحديث (ان امرأة بغيا رأت كلبا فى يوم حار يطيف ببئر قد ادلع لسانه من العطش فنزعت له فغفر لها) قال البخارى فنزعت خفها فاوثقته اى احكمته بخمارها فنزعت له من الماء فغفر لها بذلك والحديث يدل على غفران الكبيرة من غير توبة وهو مذهب اهل السنة وعلى ان من اطعم محتاجا الى الغذاء يستحق المثوبة والجزاء . فعلى العاقل العمل بالكتاب والسنة ﴿ والذين يتوفون منكم ﴾ اى يموتون ويقبض ارواحهم بالموت . وقرئ بفتح الياء اى يستوفون آجالهم واعمارهم . واصل التوفى اخذ الشئ وافيا كاملا يقال توفى الشئ واستوفاه فمن مات فقد اخذ عمره وافيا كاملا واستوفاه ﴿ ويذرون ازواجا ﴾ اى يتركون نساء من بعدهم وهو جمع زوج والمنكوحة تسمى زوجا وزوجة والتذكير اغلب قال تعالى (اسكن انت وزوجك الجنة) ويجمع ازواجا على لغة التذكير وزوجات على لغة التأنيث ﴿يتربصن بانفسهن﴾ الباء للتعديه اى يجعلنها متربصة منتظرة بعدموتهم لئلايبقى المبتدأ بلاعائد ﴿ اربعة اشهر وعشرا ﴾ اى فى تلك المدة فلايتزوجن الى انقضاء العدة قوله عشرا اى عشرة ايام وتأنيث العشر باعتبار الليالى لان التاريخ عند العرب بالليلة بناء على انها اول الشهر واليوم تبع لها ولعل الحكمة فى تقدير عدة الوفاة باربعة اشهر وعشر ان الجنين اذا كان ذكرا يتحرك غالبا لثلاثة اشهر وان كان انثى يتحرك لاربعة فاعتبر اقصى الاجلين وزيد عليه العشر استظهارا اى استعانة بتلك الزيادة على العلم بفراغ الرحم اذ ربما تضعف الحركة فى المبادى فلايحس بها وكانت عدة الوفاة فى اول الاسلام سنة فنسخت بهذه الا الحوامل فان عدتها بوضع الحمل قال تعالى (واولات الاحمال اجلهن ان

(يضعن)

المجلد الأول من تفسير روح البيان

تأليف الامام العالم الفاضل والشيخ النحرير الكامل الجامع بين البواطن والظواهر ومفخر الاماثل والاكابر خاتمة المفسرين وقدوة ارباب الحقيقة واليقين فريد اوانه وقطب زمانه منبع جميع العلوم مولانا ومولى الروم الشيخ اسماعيل حقى البروسوى قدس سره العالى

المتوفى سنة ١١٣٧

دار احياء التراث العربي
بيروت - لبنان

{ فَلَمَّا توفيتني } بالرفع إلى السماء كما في قوله تعالى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ فإن التوفيَ أخذُ الشيء وافياً (تفسير أبي السعود (3/101)

تفسير أبي السعود

المسمى إرشاد العقل السليم إلى مزايا القرآن الكريم

لقاضي القضاة الإمام

أبي السعود محمد بن محمد العمادي

المتوفى سنة ٩٥١ هجرية

الجزء الثالث

الناشر
دار إحياء التراث العربي
بيروت - لبنان

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِي بِهِۦٓ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ ٥ المائدة

وفيه من المبالغة فى التنزيه من حيث الاشتقاق من السبح الذى هو الذهاب والإبعاد فى الأرض ومن جهة النقل إلى صيغة التفعيل ومن جهة العدول من المصدر إلى الاسم الموضوع له خاصة المشير إلى الحقيقة الحاضرة فى الذهن ومن جهة إقامته مقام المصدر مع الفعل مالا يخفى أى أنزهك تنزيهاً لائقاً بك من أن أقول ذلك أو من أن يقال فى حقك ذلك وأما تقدير من أن يكون لك شريك فى الألوهية فلا يساعده سباق النظم الكريم وسياقه وقوله تعالى (ما يكون لى أن أقول ما ليس لى بحق) استئناف مقرر للتنزيه ● ومبين للمنزه منه وما عبارة عن القول المذكور أى ما يستقيم وما ينبغى لى أن أقول قولا لا يحق لى أن أقوله وإيثار ليس على الفعل المنفى لظهور دلالته على استمرار انتفاء الحقية وإفادة التأكيد بما فى حيزه من الباء فإن اسمه ضميره العائد إلى ما وخبره بحق والجار والمجرور فيما بينهما للتبيين كما فى سقيا لك ونحوه وقوله تعالى (إن كنت قلته فقد علمته) استئناف مقرر لعدم صدور القول المذكور عنه عليه السلام بالطريق ● البرهانى فإن صدوره عنه مستلزم لعلمه تعالى به قطعاً فحيث انتفى علمه تعالى به انتفى صدوره عنه حتماً ضرورة أن عدم اللازم مستلزم لعدم الملزوم (تعلم ما فى نفسى) استئناف جار مجرى التعليل لما قبله كأنه قيل لأنك ● تعلم ما أخفيه فى نفسى فكيف بما أعلنه وقوله تعالى (ولا أعلم ما فى نفسك) بيان للواقع وإظهار لقصوره ● أى ولا أعلم ما تخفيه من معلوماتك وقوله فى نفسك للمشاكلة وقيل المراد بالنفس هو الذات ونسبة المعلومات إليها لما أنها مرجع الصفات التى من جملتها العلم المتعلق بها فلم يكن كنسبتها إلى الحقيقة وقوله تعالى (إنك أنت علام الغيوب) تعليل لمضمون الجملتين منطوقا ومفهوماً وقوله تعالى (ما قلت لهم إلا ١١٧ ما أمرتنى به) استئناف مسوق لبيان ما صدر عنه قد أدرج فيه عدم صدور القول المذكور عنه على أبلغ وجه وآكده حيث حكم بانتفاء صدور جميع الأقوال المغايرة للمأمور به فدخل فيه انتفاء صدور القول المذكور دخولا أولياً أى ما أمرتهم إلا بما أمرتنى به وإنما قيل ما قلت لهم نزولا على قضية حسن الأدب ومراعاة لما ورد فى الاستفهام وقوله تعالى (أن اعبدوا الله ربى وربكم) تفسير للمأمور به وقيل عطف ● بيان للضمير فى به وقيل بدل منه وليس من شرط البدل جواز طرح المبدل منه مطلقاً ليلزم بقاء الموصول بلا عائد وقيل خبر مضمر أو مفعوله مثل هو أو أعنى (وكنت عليهم شهيداً) رقيباً أراعى أحوالهم وأحملهم ● على العمل بموجب أمرك وأمنعهم عن المخالفة أو مشاهداً لأحوالهم من كفر وإيمان (ما دمت فيهم) ● ما مصدرية ظرفية تقدر بمصدر مضاف إليه زمان ودمت صلتها أى كنت شهيداً عليهم مدة دوامى فيما بينهم (فلما توفيتنى) بالرفع إلى السماء كما فى قوله تعالى إنى متوفيك ورافعك إلى فإن التوفى أخذ الشىء وافياً ● والموت نوع منه قال تعالى الله يتوفى الأنفس حين موتها والتى لم تمت فى منامها (كنت أنت الرقيب عليهم) ● لا غيرك فأنت ضمير الفصل أو تأكيد وقرىء الرقيب بالرفع على أنه خبر أنت والجملة خبر لكان وعليهم

مادُمتُ فِيهِمۡ، فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِي بالرفع إلى السماء، أي: توفيت أجلي من الأرض. والتوفي أخذ الشيء وافيًا. فلما رفعتني إلى السماء كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيۡهِمۡ (البحر المديد في تفسير القرآن المجيد (2/ 93)

البحر المديد
في تفسير القرآن المجيد

لأبى العباس أحمد بن محمد بن عجيبة
١١٦١ هـ - ١٢٢٤ هـ

تحقيق وتعليق
أحمد عبدالله القرشى

المجلد الثانى
من أول سورة المائدة حتى آخر سورة يوسف

طبع على نفقة د. حسن عباس زكى
القاهرة ١٤١٩ هـ - ١٩٩٩ م

يقول الحق جل جلاله: واذكر ﴿إذ قال الله ياعيسى﴾ بعد رفعه إلى السماء، أو يقوله له يوم القيامة، وهو الصحيح، بدليل قوله: ﴿قال الله هذا﴾ إلخ، فإن اليوم الذى ﴿ينفع الصادقين صدقهم﴾ هو يوم القيامة، فيقول له حينئذ: ﴿أنت قلت للناس اتخذونى وأمى إلهين من دون الله﴾ يريد به توبيخ الكفار الذين عبدوه وتبكيتهم، وفيه تنبيه على أن من عبد مع الله غيره فكأنه لم يعبد الله قط، إذ لاعبرة بعبادة من أشرك معه غيره.

﴿قال﴾ عيسى عليه السلام مبرءاً نفسه من ذلك وقد أرعد من الهيبة: ﴿سبحانك﴾ أى: تنزيهاً لك من أن يكون لك شريك، ﴿مايكون لى أن أقول ماليس لى بحق﴾ أى: ماينبغى لى أن أقول مالا يجوز لى أن أقوله، ﴿إن كنتُ قُلتُه فقد علمته﴾، وكَلَ العلم إلى الله لتظهر براءته؛ لأن الله علم أنه لم يقل ذلك، ﴿تعلم مافى نفسى ولا أعلم ما فى نفسك﴾ أى: تعلم ما أخفيته فى نفسى، كما تعلم ما أعلنته، ولا أعلم ماتخفيه من معلوماتك، سلك فى اللفظ مسلك المشاكلة، فعبّر بالنفس عن الذات. ﴿إنك أنت علام الغيوب﴾ لا يخفى عليك شىء من الأقوال والأفعال.

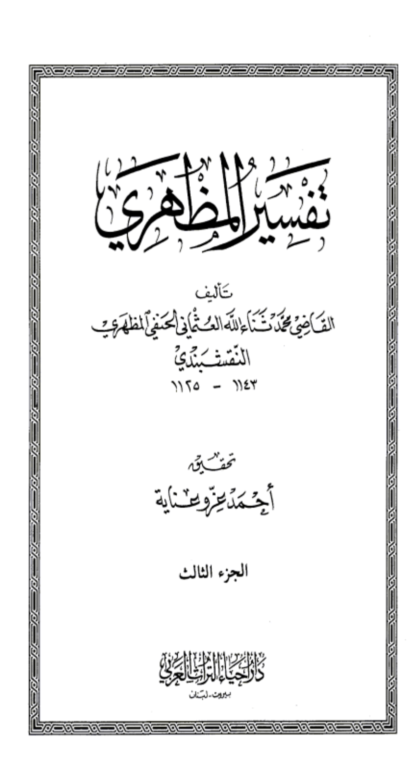
﴿ماقلتُ لهم إلا ما أمرتنى به﴾ وهو عبادة الله وحده، فقلت لهم: ﴿اعبدوا الله ربى وربكم، وكنت عليهم شهيدًا﴾ أى: رقيباً عليهم، أمنعهم أن يقولوا ذلك أو يعتقدوه. ﴿مادمتُ فيهم، فلما توفيتنى﴾ بالرفع إلى السماء، أى: توفيت أجلى من الأرض. والتوفى أخذ الشئ وافيا، فلما رفعتنى إلى السماء ﴿كنت أنت الرقيب عليهم﴾ أى: المراقب لأحوالهم ﴿وأنت على كل شىء شهيد﴾: مطلع عليه مراقب له.

﴿إن تعذبهم فإنهم عبادك﴾ وأنت مالك لهم، ولا اعتراض على المالك فى ملكه، وفيه تنبيه على أنهم استحقوا العذاب، أى: لأنهم عبادك وقد عبدوا غيرك، ﴿وإن تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم﴾، فلا عجز ولا استقباح، فإنك القادر والقوى على الثواب والعقاب بلاسبب، ولا تُعاقب إلا عن حكمة وصواب، فإن عذبت فعدل، وإن غفرت ففضل ، وعدم غفران الشرك مقتضى الوعيد، فلا امتناع فيه لذاته ليمتنع الترديد والتعليق بإن. قاله البيضاوى.

وقال ابن جزى : فيه سؤالان : الأول: كيف قال: ﴿إن تغفر لهم﴾ وهم كفار، والكفار لا يغفر لهم؟ فالجواب: أن المعنى تسليم الأمر إلى الله، وإنه إن عذب أو غفر فلا اعتراض عليه؛ لأن الخلق عباده، والمالك يفعل مايشاء، ولا يلزم من هذا وقوع المغفرة للكفار، وإنما يقتضى جوازها فى حكمة الله وعزته، وفَرّق بين الجواز والوقوع، وأما على قول من قال : إن هذا الخطاب وقع لعيسى عليه السلام حين رفعه الله إلى السماء فلا إشكال، لأن المعنى: إن تغفر لهم بالتوبة، وكانوا حينئذ أحياء، وكل حيى مُعرض للتوبة.

السؤال الثانى : ما مناسبة قوله : ﴿العزيز الحكيم﴾ لقوله : ﴿إن تغفر لهم﴾، والأليق إن قال : فإنك أنت الغفور الرحيم؟ فالجواب: أنه لما قصد التسليم له والتعظيم، كان قوله : (فإنك أنت العزيز الحكيم) أليق، فإن الحكمة

مادُمۡتُ فِيهِمۡۖ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِي يعنى قبضتنى ورفعتنى إليك والتوفى أخذ الشيء وافيا(التفسير المظهري (3/209)



تفسير المظهري

تأليف

القاضي محمد ثناء الله العثماني الحنفي المظهري النقشبندي

١١٤٣ - ١١٢٥

تحقيق

أحمد عزو عناية

الجزء الثالث

دار إحياء التراث العربي

بيروت - لبنان

طرح المبدل منه مطلقًا حتى يلزم بقاء الموصول بلا عائد أو خبر مبتدأ محذوف، أعني هو أو منصوب بتقدير أعني ولا يجوز إبداله من ما أمرتني به فإن المصدر لا يكون مقول القول ولا أن يكون إن مفسرة لأن الأمر مسند إلى الله وهو لا يقول أعبدوا الله ربي وربكم، والقول لا يفسر بأن اللهم إلا أن يقال القول مأول بالأمر تقديره ما أمرتهم إلا ما أمرتني به ثم فسر عيسى أمر نفسه بقوله أن أعبدوا الله وفي وضع قلت موضع أمرت نكتة جليلة وهي التحاشي عن أن يجعل نفسه كالرب في كونه آمرًا ﴿وَكُنتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيدًا﴾رقيبًا ومشاهدًا لأحوالهم من الكفر والإيمان مرشدهم إلى الحق مانعهم من القول والاعتقاد الباطل ﴿مَّا دُمۡتُ فِيهِمۡۖ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِي﴾ يعني قبضتني ورفعتني إليك والتوفي أخذ الشيء وافياً والموت نوع منه قال الله تعالىٰ: ﴿ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلۡأَنفُسَ حِينَ مَوۡتِهَا وَٱلَّتِي لَمۡ تَمُتۡ فِي مَنَامِهَاۖ﴾[1] ﴿كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيۡهِمۡۚ﴾ المحافظ بأعمالهم والمراقب لأحوالهم فتمنع من أردت عصمته بالإرشاد إلى الدلائل وإرسال الرسل وإنزال الكتب والتوفيق ﴿وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ شَهِيدٌ﴾ من قولي وفعلي وقولهم وفعلهم ﴿إِن تُعَذِّبۡهُمۡ فَإِنَّهُمۡ عِبَادُكَۖ﴾ ولا إعتراض على المالك المطلق بما فعل بملكه كيف وقد عبدوا غيرك وأنت خلقتهم وشكروا سواك وأنت أنعمت عليهم ﴿وَإِن تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ﴾ القادر الغالب القوي على الثواب والعقاب فمغفرتك ليست عن عجز حتى يستقبح ﴿ٱلۡحَكِيمُ﴾ لا تفعل إلا بمقتضى الحكمة يعني إن عذبت فعدل وإن غفرت ففضل وعدم غفران المشرك بمقتضى الوعيد لا ينافي جواز المغفرة لذاته حتى يمتنع الترديد والتعلق بأن، وليس فيه طلب المغفرة للكفار ومن ثم لم يقل فإنك أنت الغفور الرحيم، بل فيه تسليم الأمر وتفويضه إلى إرادة الله تعالىٰ وحكمته، وكان ابن مسعود يقرأ إن تغفر لهم فإنهم عبادك وإن تعذبهم فإنك أنت العزيز الحكيم، وكأنَّ هذه القراءة كان نظرًا إلى مناسبة العزيز الحكيم بالتعذيب دون المغفرة ولذلك، قيل: في الآية تقديم وتأخير وقد عرفت أن المستحسن المناسب هو الذي في القراءة المتواترة عن عبدالله بن عمر وبن العاص أن النبيّ ﷺ تلى قوله تعالىٰ في إبراهيم عليه السّلام ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضۡلَلۡنَ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلنَّاسِۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُۥ مِنِّيۖ وَمَنۡ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ٣٦﴾ وفي عيسى قال: ﴿إِن تُعَذِّبۡهُمۡ فَإِنَّهُمۡ عِبَادُكَۖ وَإِن تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ ١١٨﴾ فقال: اللهم أمتي أمتي وبكى فقال: الله سبحانه يا جبرئيل اذهب إلى محمد وربك أعلم فاسأله ما يبكيك،

(١) سورة الزمر، الآية: ٤٢.

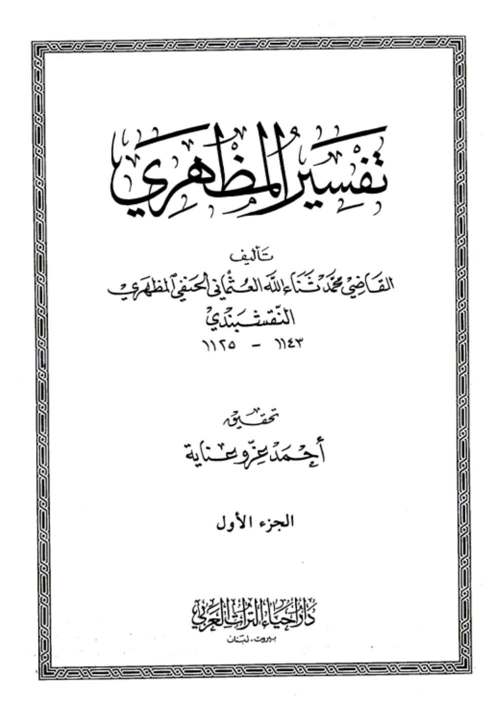
٣٦٢ الجزء الأول من كتاب تفسير المظهري

أن الفطام في ذلك الوقت لا يضر بالولد والمشاورة استخراج الرأي ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ في ذلك وإنما اعتبر تراضيهما لئلا يقدم أحدهما على ما يتضرر به الطفل لغرض أو غيره، وهذا يدل على أنه لا يجوز لأحدهما قبل الحولين الفصال من غير تراض بينهما وتشاور مع أهل الرأي.

﴿وَإِنْ أَرَدتُّمْ﴾ أيها الآباء ﴿أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ﴾ مراضع غير أمهاتهم إن أبت أمهاتهم أن يرضعنهم لعلة بهن أو انقطاع لبن أو أردن نكاحاً أو طلبن أجراً زائداً على غيرهن، وإنما قيدنا بهذه القيود لما سبق من دفع الضرار عن الوالدين وحذف المفعول الأول للاستغناء عنه ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم﴾ إلى أمهاتهم أي مرضعاتهم ﴿مَّا آتَيْتُم﴾ يعني أعطيتم أي ما أردتم إيتاءه كقوله تعالى: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾[1] أو المراد بما آتيتم ما سميتم لهن من أجرة الرضاع بقدر ما أرضعن، أو المعنى إذا سلمتم أجور المراضع إليهن والتسليم ندب لا شرط للجواز إجماعاً، قرأ ابن كثير مَّا أَتَيْتُم ههنا وفي الروم ﴿وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا﴾ بقصر الألف ومعناه ما فعلتم والتسليم حينئذ بمعنى الإطاعة وعدم الاعتراض يعني إذا أطاع أحد الأبوين ما فعله الآخر من الاسترضاع ﴿بِالْمَعْرُوفِ﴾ بالوجه المتعارف المستحسن شرعاً متعلق بسلمتم وجواب الشرط محذوف دل عليه ما قبله ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ مبالغة في المحافظة على ما شرع في الأطفال والمراضع ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ حث وتهديد.

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ﴾ أي يموتمون، والتوفي: أخذ الشيء وافياً بتمامه يعني يتوفون آجالهم حال كونهم ﴿مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ﴾ أي ينتظرن الضمير عائد إلى الأزواج يعني تتربص أزواجهم أو المضاف محذوف في المبتدأ يعني أزواج الذين يتوفون يتربصن بعدهم ﴿بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ أنث العشر باعتبار الليالي لأنها غرر الشهور والأيام، والعرب إذا أبهمت العدد بين الليالي والأيام غلبت عليها الليالي ولا يستعمل التذكير في مثله قط حتى أنهم يقولون صمت عشراً وقال الله تعالى: ﴿إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا﴾[2] ثم قال: ﴿إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا﴾[3] والآية تشتمل الحوامل وغيرهن ثم نسخ حكمها في الحوامل بقوله تعالى: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾[4] قال ابن مسعود: من شاء باهلته إن سورة النساء القصرى يعني سورة الطلاق نزلت بعد سورة النساء الطولى

(١) سورة المائدة، الآية: ٦.
(٢) سورة طه، الآية: ١٠٣.
(٣) سورة طه، الآية: ١٠٤.
(٤) سورة الطلاق، الآية: ٤.



یہ تفاسیر کے چند حوالے ہیں جن میں مفسرین اکرام نے توفی کے حقیقی معنی ''أخذ الشيء وافيا'' ہونا بیان کیا ہے۔

اسی طرح عربی لغات میں بھی توفی کے معنی پورا وصول کرنا، پورا لینا وغیرہ ملتے ہیں۔

جب کہنا ہو ''میں نے اس سے اپنا مال پورا پورا لے لیا'' تو ''توفيت'' لفظ بولا جاتا ہے۔ حوالے ملاحظہ فرمائیں

ويُقال: تَوَفَّيْت المالَ مِنْهُ، واسْتَوْفيته، إذا أَخَذته كُلّه. (تهذيب اللغة (15/ 419)

تراثنا

تهذيب اللغة
لأبي منصور محمد بن أحمد الأزهري
٢٨٢هـ - ٣٧٠هـ

الجزء الخامس عشر

تحقيق
الأستاذ: ابراهيم الإبياري

دار الكاتب العربي
١٩٦٧

مُدّته التي كُتبت من عدد أيامه وشهوره وأعوامه في الدنيا.

ويُقال: تَوَفّيْت المالَ منه، واسْتَوْفيته، إذا أخذته كُلّه.

وتَوَفّيت عَدد القوم، إذا عَدَدْتَهم كلهم؛ وأنشد أبو عُبيدة لمَنظور الوَبْرِيّ:

إنّ بني الأَدْرم[1] لَيسو من أحد
ولا تَوفّاهم قُرَيْشٌ في العَدَدْ

أي: لا تجعلهم قريشٌ تمام عددهم، ولا تَستوفي بهم عَدَدَهم.

ومن هذا قولُ الله جلّ وعز: (اللهُ يَتوفّى الأَنْفُسَ حِين مَوْتِها[2]) أي: يستوفي مُدد آجالهم في الدُّنيا.

وقيل: يَستوفي تمامَ عَدَدِهم إلى يوم القيامة.

وأمّا تَوَفِّي النائم، فهو استيفاء وقت عقله وتمييزه إلى أن نام.

(١) اللسان: «الأدرد».
(٢) الزمر: ٤٢.

وقال الزجّاج: في قوله تعالى: (قُلْ يَتَوفّاكُم مَلَكُ المَوْتِ)[3] هو من: تَوْفية العَدَد.

تأويله: أن يَقْبض أرواحكم أجمعين فلا ينقُص واحد منكم؛

كما تقول: قد استوفيت من فلان، وتوفّيت منه ما لي عليه؛

تأويله: لم يَبْق عليه شيء.

أبو عُبيد، عن الكسائي وأبي عُبيدة: وَفَيت بالعهد، وأَوْفيت به، سواء.

وقال شَمِر: يُقال: وَفَى، وأَوْفَى.

من قال «وَفَى» فإنه يقول: تَمّ، كقولك: وَفَى لنا فلانٌ، أي: تَمّ لنا قولُه ولم يَغْدر.

ووَفَى هذا الطّعامُ قَفِيزاً، أي: تم قفيزاً؛

وقال الحُطيئة:

وَفَى كَيْلُ لا نِيبٍ ولا بَكَرات

أي: تَمّ.

(٣) السجدة: ١١.

وتَوَفَّيتُ المالَ مِنهُ واسْتوفَيته إذَا أَخذته كُلَّهُ. (لسان العرب (15 / 400)

لِسَانُ العَرَب

للإمام العلامة أبي الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظور الأفريقي المصري

المجلد الخامس عشر

دار صادر
بيروت

ومنحته ، وقد تقدم الفرق بين التام والوفاء .

والوافِي مِن الشِّعْر : ما اسْتَوفَى في الاستعمال عِدَّةَ أجزائه في دائرته ، وقيل : هو كل جزء يمكن أن يدخله الزِّحاف فسَلِمَ منه .

والوَفاء : الطُّول ؛ يقال في الدُّعاء : مات فلان وأنت بوَفاء أي بطول عُمُر ، تدْعُو له بذلك ؛ عن ابن الأعرابي . وأوْفَى الرجلَ حقَّه ووَفَّاه إياه بمعنى : أكْمَلَه له وأعطاه وافياً . وفي التنزيل العزيز : ووَجدَ اللهَ عنده فوفَّاه حسابَه . وتَوَفَّاه هو منه واسْتَوْفاه : لم يَدَعْ منه شيئاً . ويقال : أوْفَيْته حَقَّه ووَفَّيته أجْره . ووفَّى الكيلَ وأوفاه : أتَمَّه . وأوْفَى على الشيء وفيه : أشْرَفَ . وإنه لمِيفاء على الأشْرافِ أي لا يَزالُ يُوفِي عليها ، وكذلك الحِمار . وعَيرٌ مِيفاء على الإكام إذا كان من عادته أن يُوفِيَ عليها ؛ وقال حميد الأرقط يصف الحمار :

عَيْرانَ مِيفاءٍ على الرُّزُونِ ،
حَدَّ الرَّبيعِ ، أرِنٍ أرُونِ

لا خَطِلِ الرَّجْعِ ولا قَرُونِ ،
لاحِقِ بَطْنٍ بِقَراً سَمِينِ

ويروى : أحْقَبَ مِيفاءٍ ، والوَفْيُ من الأرض : الشَّرَفُ يُوفَى عليه ؛ قال كثير :

وإنْ طُوِيَتْ من دونه الأرضُ وانْبَرَى ،
لِنُكْبِ الرِّياحِ ، وَفْيُها وحَفِيرُها

والمِيفَى والمِيفاةُ ، مقصوران ، كذلك . التهذيب : والمِيفاةُ الموضع الذي يُوفِي فَوقه البازِي لإيناس الطير أو غيره ؛ قال رؤبة :

أبلع ميفاء رؤوس فوره [1]

[1] قوله « قال رؤبة الخ » كذا بالاصل .

والمِيفَى : طَبَقُ التَّنُّور . قال رجل منْ العرب لطباخه : خَلِّبْ مِيفاكَ حتى يَنْضَجَ الرَّوْدَقُ ، قال : خَلِّبْ أي طَبِّقْ ، والرَّوْدَقُ : الشِّواء . وقال أبو الخطاب : البيتُ الذي يطبخ فيه الآجُرُّ يقال له المِيفَى ؛ روي ذلك عن ابن شميل .

وأوْفَى على الخمسين : زادَ ، وكان الأصمعي يُنكره ثم عَرَفَه .

والوَفاةُ : المَنِيَّةُ . والوفاةُ : الموت . وتُوُفِّيَ فلان وتَوَفَّاه الله إذا قَبَضَ نَفْسَه ، وفي الصحاح : إذا قَبَضَ رُوحَه ، وقال غيره : تَوَفِّي الميتِ اسْتِيفاء مُدَّتِه التي وُفِيَتْ له وعَدَد أيامِه وشُهوره وأعْوامه في الدنيا . وتَوَفَّيْتُ المالَ منه واسْتَوْفَيته إذا أخذته كله . وتَوَفَّيْتُ عَدَد القومِ إذا عَدَدْتهم كُلَّهم ؛ وأنشد أبو عبيدة لمنظور الوَبْرِي :

إنَّ بني الأدْرَدِ لَيْسُوا مِنْ أحَدْ ،
ولا تَوَفَّاهُمْ قُرَيْشٌ في العددْ

أي لا تجعلهم قريش تَمام عددهم ولا تَسْتَوفي بهم عدَدَهم ؛ ومن ذلك قوله عز وجل : الله يَتَوفَّى الأنْفُسَ حينَ مَوْتِها ؛ أي يَسْتَوفي مُدَد آجالهم في الدنيا ، وقيل : يَسْتَوْفي تَمام عدَدِهم إلى يوم القيامة ، وأمّا تَوَفِّي النائم فهو اسْتِيفاء وقْت عَقْله وتمييزه إلى أن نامَ . وقال الزجاج في قوله : قل يَتَوَفَّاكم مَلَكُ الموت ، قال : هو من تَوْفِية العدد ، تأويله أن يَقْبِضَ أرْواحَكم أجمعين فلا ينقُص واحد منكم ، كما تقول : قد اسْتَوْفَيْتُ من فلان وتَوَفَّيت منه ما لي عليه ؛ تأويله أن لم يَبْقَ عليه شيء . وقوله عز وجل : حتى إذا جاءتهم رُسُلُنا يَتَوَفَّوْنَهم ؛ قال الزجاج : فيه ، والله أعلم ، وجهان : يكون حتى إذا جاءتهم ملائكةُ الموت يَتَوَفَّوْنَهم سَألُوهم عند المُعايَنة فيعترفون

اسی طرح اگر یہ کہنا ہو کہ ’’ میں نے قوم کی پوری پوری گنتی کرلی‘‘ تو’’توفیت‘‘ لفظ بولا جاتاہے۔حوالے ملاحظہ فرمائیں

وتَوَفَّيْتُ عَدَدَ القومِ إِذَا عَدَدْتَهم كُلَّهم؛

وأَنشد أَبو عبيدة لِمَنْظُورٍ الوَبْرِي

إِنَّ بَنِي الأَدْرَدِ لَيْسُوا مِنْ أَحَدْ،

وَلَا تَوَفَّاهُمْ قُرَيْشٌ فِي العَدَدْ

(لسان العرب (15/400)

لسان العرب

للإمام العلامة أبي الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظور الأفريقي المصري

المجلد الخامس عشر

دار صادر
بيروت

وفي

ومنحته ، وقد تقدم الفرق بين التمام والوفاء .

والوافي مِن الشِّعْر : ما اسْتَوفى في الاستعمال عِدَّة أجزائه في دائرته ، وقيل : هو كل جزء يمكن أن يدخله الزِّحاف فسَلِمَ منه .

والوَفاء : الطُّول ؛ يقال في الدُّعاء : مات فلان وأنت بوَفاء أي بطول عُمُر ، تدْعُو له بذلك ؛ عن ابن الأعرابي . وأَوْفَى الرجلَ حقَّه ووَفَّاه إياه بمعنى : أَكْمَلَه له وأعطاه وافياً . وفي التنزيل العزيز : ووَجدَ اللهَ عنده فوفَّاه حسابَه . وتَوَفَّاه هو منه واسْتَوْفاه : لم يَدَعْ منه شيئاً . ويقال : أَوْفَيْته حَقَّه ووَفَّيْته أجْره . ووفَّى الكيلَ وأوفاه : أَتَمَّه . وأَوْفَى على الشيء وفيه : أَشْرَفَ . وإنه لَمِيفاء على الأَشْرافِ أي لا يَزالُ يُوفِي عليها ، وكذلك الحِمار . وعَيْرٌ مِيفاء على الإِكام إذا كان من عادته أن يُوفيَ عليها ؛ وقال حميد الأرقط يصف الحمار :

عَيْرانَ مِيفاء على الرُّزُونِ ،
حَدَّ الرَّبيعِ ، أَرِنٍ أَرُونِ

لا خَطِلِ الرَّجْعِ ولا قَرُونِ ،
لاحِقِ بَطْنٍ بِقَرًا سَمِينِ

ويروى : أَحْقَبَ مِيفاءٍ ، والوَفْيُ من الأرض : الشَّرَفُ يُوفَى عليه ؛ قال كثير :

وإنْ طُوِيَتْ من دونه الأَرضُ وانْبَرَى ،
لِنُكْبِ الرِّياح ، وَفْيُها وحَفِيرُها

والمِيفَى والمِيفاةُ ، مقصوران ، كذلك . التهذيب : والمِيفاةُ الموضع الذي يُوفِي فوقه البازِي لإيناس الطير أو غيره ؛ قال رؤبة :

أبلع ميفاء رؤوس فوره [1]

[1] قوله « قال رؤبة الخ » كذا بالاصل .

والمِيفَى : طَبَقُ التَّنُّور . قال رجل من العرب لطباخه : خَلِّبْ مِيفاكَ حتى يَنْضَجَ الرَّوْدَقُ ، قال : خَلِّبْ أي طَبِّقْ ، والرَّوْدَقُ : الشِّواء . وقال أبو الخطاب : البيت الذي يطبخ فيه الآجُرُّ يقال له المِيفَى ؛ روي ذلك عن ابن شميل .

وأَوْفَى على الخمسين : زادَ ، وكان الأصمعي يُنكره ثم عَرَفه .

والوَفاةُ : المَنِيَّةُ . والوفاةُ : الموت . وتُوُفِّيَ فلان وتَوَفَّاه الله إذا قَبَضَ نَفْسَه ، وفي الصحاح : إذا قَبَضَ رُوحَه ، وقال غيره : تَوَفِّي الميتِ اسْتِيفاء مُدَّتِه التي وُفِيَتْ له وعَدَد أيامِه وشُهوره وأعْوامه في الدنيا . وتَوَفَّيْتُ المالَ منه واسْتَوْفَيْته إذا أخذته كله . وتَوَفَّيْتُ عَدَدَ القومِ إذا عَدَدْتهم كُلَّهم ؛ وأنشد أبو عبيدة لمنظور الوَبْرِي :

إنَّ بني الأَدْرَدِ لَيْسُوا مِنْ أَحَدْ ،
ولا تَوَفَّاهُمْ قُرَيْشٌ في العَدَدْ

أي لا تجعلهم قريش تَمام عددهم ولا تَسْتَوفي بهم عدَدَهم ؛ ومن ذلك قوله عز وجل : الله يَتَوَفَّى الأَنْفُسَ حينَ مَوْتِها ؛ أي يَسْتَوفي مُدَد آجالهم في الدنيا ، وقيل : يَسْتَوْفي تَمام عدَدِهم إلى يوم القيامة ، وأمّا تَوَفِّي النائم فهو اسْتِيفاء وقْت عَقْله وتمييزه إلى أن نامَ . وقال الزجاج في قوله : قل يَتَوَفَّاكم مَلَكُ الموت ، قال : هو من تَوْفِية العدد ، تأويله أن يَقْبِضَ أرْواحَكم أجمعين فلا ينقُص واحد منكم ، كما تقول : قد اسْتَوْفَيْتُ من فلان وتَوَفَّيت منه ما لي عليه ؛ تأويله أن لم يَبْقَ عليه شيء . وقوله عز وجل : حتى إذا جاءتهم رُسُلُنا يَتَوَفَّوْنَهم ؛ قال الزجاج : فيه ، والله أعلم ، وجهان : يكون حتى إذا جاءتهم ملائكةُ الموت يَتَوَفَّوْنَهم سأَلُوهم عند المُعايَنة فيعترفون

٤٠٠

وتَوَفَّيْتُ عَدَدَ القَوْمِ: إذا عَدَدْتهم كلَّهم، وأَنْشَدَ أبو عبيدةَ لمَنْظورٍ العَنْبري:

إنَّ بَني الأَدْرَدِ لَيْسُوا مِنْ أَحَدْ

وَلَا تَوَفَّاهُمْ قُرَيْشٌ في العددْ

(تاج العروس (40 / 225)

وفـي

وفـي

التراث العربي

سلسلة يصدرها المجلس الوطني للثقافة والفنون والآداب دولة الكويت

- ١٦ -

تاج العروس

من جواهر القاموس

للسيد محمد مرتضى الحسيني الزبيدي

الجزء الأربعون

تحقيق

الدكتور ضاحي عبد الباقي

مراجعة

الدكتور عبد اللطيف محمد الخطيب

١٤٢٢هـ - ٢٠٠١م

يَدْخُلَه الزِّحافُ فسَلِمَ منه.

وإنه لَمِيفاءٌ علَى الأَشْرافِ: أَيْ لا يَزالُ يُوفِي عَلَيْها[١].

وعَيْرٌ مِيفاءٌ علَى الإكامِ: إذا كانَ مِنْ عادَتِه أَنْ يُوفِيَ عليها. قال حُمَيْدٌ الأَرْقَطُ يصِفُ حِمارًا:

* أَحْقَبَ مِيفاءٍ عَلَى الرُّزُونِ[٢] *

نَقَله الجَوْهَرِيُّ.

والمِيفاةُ: المَوْضِعُ الَّذِي يُوفِي فَوْقَهُ البازِي لإيناسِ الطَّيْرِ أَوْ غَيْرِه.

وأَوْفَى علَى الخَمْسِينَ، أَيْ: زادَ، وكانَ الأَصْمَعِيُّ يُنْكِرهُ، ثُمَّ عَرَفَه. وقالَ الزَّمَخْشَرِيُّ: أَوْفَى علَى المِائَةِ: زادَ عَلَيْها، وهو مُجازٌ.

وتَوَفَّيْتُ عَدَدَ القَوْمِ: إذا عَدَدْتَهم كُلَّهم[٣]. وأَنْشد أبو عُبَيْدَةَ لمَنْظُورٍ العَنْبَرِيِّ[١]:

* إنَّ بني الأَدْرَدِ[٢] لَيْسُوا من أَحَدْ *

* ولا تَوَفَّاهم قُرَيْشٌ في العَدَدْ[٣] *

أَيْ: لا تَجْعَلُهم قُرَيْشٌ تَمامَ عَدَدِهِمْ، ولا تَسْتَوْفِي بِهِمْ عَدَدَهم.

ووافاه حِمامُه: أَدْرَكَه، وكذا كِتابُه.

وَوَزَنَ له بالوَافِيَةِ، أي: بالصَّنْجَةِ التَّامَّةِ.

والمُوافِيُّ[٤]: المُفاجِىءُ، ومنه قَوْلُ بِشْرٍ:

كَأَنَّ الأَتْحَمِيَّةَ قامَ فيها

لِحُسْنِ دَلالِها رَشَأٌ مُوافِي[٥]

قاله أبو نَصْرٍ الباهِلِيُّ، واسْتَدَلَّ

(١) [قلت: في التهذيب ١٥/ ٥٨٤... إذا لم يزل يوفي على شَرَف. ع].

(٢) اللسان، والصحاح (غير معزو).

(٣) في مطبوع التاج ومخطوطه «لهم» والمثبت من اللسان، والتهذيب ١٥/ ٥٨٤.

(١) في اللسان والتهذيب ١٥/ ٥٨٤ «الوَبْرِي» وعنهما النقل.

(٢) في التهذيب ١٥/ ٥٨٤ «الأدرم».

(٣) اللسان، والتهذيب ١٥/ ٥٨٤.

(٤) [قلت: ضبطه المحقق بالياء المشددة، وما بين يدي: الموافي مثل مفاجئ. كذا في اللسان. وهو الصواب بالتخفيف كما في التهذيب. ع].

(٥) ديوانه ١٤٣، واللسان، والتهذيب ١٥/ ٥٨٧، والأساس.

یہاں بطور دلیل جو شعر لکھا گیا ہے اس کا معنی بنتا ہے۔

بیشک قبیلہ بنی ادرد کسی میں سے نہیں

اور قریش نے ان کی پوری پوری گنتی نہیں کی

دیکھیں لفظ "توفاھم" استعمال ہوا ہے یعنی پوری پوری۔

اسی طرح اساس البلاغہ میں بھی "واستوفاہ" اور "وتوفّاہ" کا معنی پورا پورا لینا بتایا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

واستوفاه وتوفّاه: استكمله. (أساس البلاغة (2/ 347)

أساس البلاغة

تأليف
أبي القاسم جار الله محمود بن عمر بن أحمد الزمخشري
المتوفى سنة ٥٣٨هـ

تحقيق
محمد باسل عيون السود

الجزء الثاني
المحتوى:
فأد - يهم

منشورات
محمد علي بيضون
دار الكتب العلمية
بيروت - لبنان

يحطمه المالُ. ولفلان وَفْرٌ: مال وافر، وهو في فِرَةٍ من المال. وسقاءٌ أوفرُ. ومزادة وفراءُ: لم يُنقص من أديمها شيء. وجارية ذات وَفْرَةٍ: ذات جُمَّة إلى أذنيها. وأكلتُ من الوافرة وهي ألية الكبش إذا كانت عظيمة.

ومن المجاز: وَفَرْته عِرضَه وَفْراً إذا أثنيتَ عليه ولم تعبه، ويقال: فِرْ صاحبَك عِرضَه. وفي مثل: «تُوفَرُ وتُحمَد» أي يصان عرضك ويُثنى عليك. وتركته على أحسن مَوْفِرٍ: على أحسن حال. ووَفَّر شَعره: أعفاه. وتوفَّر على صاحبه إذا رعى حُرُماتِه. وتوَفَّر على كذا إذا كان مصروف الهمَّة إليه. وكان ذلك وأصحاب رسول الله، صلّى الله تعالى عليه وسلّم، متوافرون.

* وفز: أنا مستوفِز، وأنا على وَفَزٍ وعلى أوفاز ووِفاز؛ قال يخاطب الموت: [من الوافر]

وهذا الخَلْقُ منك على وِفازٍ
وأرجلهم جميعاً في الرِّكابِ[(١)]

وأوفزتُه: أعجلتُه. وبات يتوفَّز على فراشه: يتقلَّب، وبات متوفِّزاً. وتوفَّزتُ لكذا: تهيَّأت له.

* وفض: أوفض في سيره واستوفض: أسرع. ﴿إلى نُصُبٍ يُوفِضُونَ﴾[(٢)]. واستوفضتُه: استعجلته. ومعه وَفْضَةٌ، ومعهم وَفَضاتٌ ووِفاضٌ؛ قال الطرمّاح: [من الخفيف]

قد تجاوزتُها بهضّاءَ كالجِنْـ
ـنة يُخفون بعضَ قرع الوِفاضِ[(٣)]

* وفق: وافقتُه على كذا. وبينهما وِفاق. وهما متفقان ومتوافقان. ووفَّقت بينهما، ووفَّقت بين الأشياء المختلفة. والله يوفِّق عبدَه للطاعة وفي الطاعة. وهو يستوفق ربَّه للخير، ويقال: لا يتوفَّق عبد حتى يوفِّقه الله تعالى، وإنَّه لموفَّق رشيد. وجاء القومُ وَفْقاً: متوافقين؛ قال: [من الرجز]

يهوين شتَّى ويقعن وَفْقا[(٤)]

متوافقة. وحَلوبته وَفْقُ عياله أي لبنها يكفيهم؛ قال الراعي يشكو الساعي: [من البسيط]

أمّا الفقير الذي كانت حَلوبته
وَفْقَ العيال فلم يُترك له سَبَدُ[(٥)]

ووَفِقَ الأمرُ يَفِقُ: كان صواباً موافقاً للمراد. ووَفِقْتَ أمرَك: صادفته موافقاً لإرادتك. ووُفِّقْتَ أمرَك: أُعطيتَه مُوافقاً لمرادك. ووافقتُ فلاناً في موضع كذا، ووافقتُه على أمر كذا بمعنى صادفته.

* وفي: درهم وافٍ. وكيْل وافٍ. وله شَعَرٌ وافٍ. ووَفَى جَناحُ الطائر، وله جناح وافٍ: ضافٍ. ووزنَ له بالوافية: بالصَّنجة التامَّة، وصار هذا وفاء لذاك: تماماً له. ويقال: مات فلان وأنت بِوَفاء أي بتمام عمرك وطولِه، دعاء له بالبقاء. ووَفَى بالعهد وأوفَى به. وهو وفيٌّ من قوم أوفياء ووُفاةٍ. ووفَّاه حقَّه وأوفاه ﴿وَأَوْفُوا الكَيْلَ﴾[(٦)]. **واستوفاه وتوفَّاه: استكمله.** ووافيته في الميعاد: مُفاعلةٌ من الوفاء. ووافيته بمكان كذا: أتيته وفاجأته. ووافاني كتابك.

(١) لم يرد البيت في المعاجم الأخرى.
(٢) ٤٣/ المعارج: ٧٠.
(٣) ديوان الطرماح ٢٧٥، واللسان والتاج (هضض، وفض)، والتهذيب ٥/ ٣٤٦، ١٢/ ٨١، والعين ٤/ ٧٠.
(٤) الرجز لرؤبة في ديوانه ١٨٠، واللسان والتاج (وفق).
(٥) ديوان الراعي ٦٤، واللسان (فقر، وفق، سكن)، والمجمل ٤/ ١٥٩، والتهذيب ٩/ ١١٤، ٣٤٢، وبلا نسبة في الجمهرة ٨٥٦، والمخصص ١٢/ ٢٨٥، والمقاييس ٤/ ٤٤٤.
(٦) ١٥٢/ الأنعام: ٦.

توفی کے حقیقی معنی ہی کیوں لیا جائے

اب کوئی قادیانی یہ سوال بھی کر سکتا ہے کہ کیا توفی موت کے معنی میں کبھی استعمال نہیں ہوتا وغیرہ

تو اس کا جواب یہ ہے کہ توفی کے مجازی معنی موت ہیں ہمیں اس بات سے انکار نہیں، قادیانی جواب دیتے ہیں جب آپ مانتے ہو توفی کے مجازی معنی موت ہیں تو کس دلیل سے اس آیت میں حقیقی معنی لیتے ہو اور مجاز نہیں۔

جواب

اوپر والے حوالہ جات سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ توفی کے حقیقی معنی پورا پورا لینے کے ہیں اب وہ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں جس میں موت کو توفی کا مجازی معنی بتایا گیا ہے۔

توفی کے مجازی معنی موت ہیں اس پر حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں

(و) من المجازِ: أَدْرَكَتْه ({الوَفاةُ) : أَي (المَوْتُ) والمَنِيَّةُ. (تاج العروس (40 / 220)

التراث العربي

سلسلة يصدرها المجلس الوطني للثقافة والفنون والآداب دولة الكويت

- ١٦ -

تاج العروس

من جواهر القاموس

للسيد محمد مرتضى الحسيني الزبيدي

الجزء الأربعون

تحقيق

الدكتور ضاحي عبد الباقي

مراجعة

الدكتور عبد اللطيف محمد الخطيب

١٤٢٢هـ - ٢٠٠١م

وفي

(الدِّرْهَمُ المِثقالَ): إذا (عَدَلَهُ)، فهو وافٍ. قال شَيْخُنا: وفي لَحْنِ العَوامّ لأَبِي بَكْرٍ الزُّبَيْدِيّ: إنّهم يَقُولُونَ: دِرْهَمٌ وافٍ: لِلزائِدِ وَزْنُهُ، وإنما هو الَّذي لا يَزِيدُ ولا يَنْقُص، وهو الَّذِي وَفَى بِزِنَتِه[١]، أي: فلا يُقالُ: وَفَى، أي: كَثُر وزَادَ. وقَدْ يُقالُ: إنّه يَصْدُقُ عَلَى الزائِدِ أنّه وَفَى بِزِنَتِه. فتَأَمَّلْ.

(وأَوْفَى عَلَيْه: أَشْرَفَ) واطَّلَعَ، ومنه حديثُ كَعْبِ بنِ مَالِكٍ:[٢] «أَوْفَى عَلَى سَلْعٍ».

(و) أَوْفَى (فلانًا حَقَّه): إذا (أَعْطاهُ وافِيًا، كوفَّاه) تَوْفِيَةً. نَقَلَه الجَوْهَرِيُّ. وقالَ غَيْرُه: أي: أَكْمَلَهُ له، (ووَافَاه) مُوَافاةً كذٰلِكَ، وقد جاءَ فَاعَلْتُ بمَعْنَى: أَفْعَلْتُ وفَعَّلْتُ في حُروفٍ بمَعْنًى واحِدٍ: تَعَاهَدْتُ الشيءَ وَتَعَهَّدْتُه، وباعَدْتُه وأَبْعَدْتُه، وقارَبْتُ الصَّبِيَّ وقَرَّبْتُه، وهو يُعاطِينِي الشَّيْءَ ويُعْطِينِي، ومنه المُوافَاةُ الَّتِي يَكْتُبها كُتَّابُ دواوينِ الخَراجِ في حِساباتِهِم[١]، (فاسْتَوْفَاه وتَوَفَّاه) أي: لم يَدَعْ منه شيئًا، فهما مُطاوِعانِ لِأَوْفاه وَوَفَّاه وَوافاهُ.

(و) من المَجازِ: أَدْرَكَتْه (الوَفاةُ)، أي: (المَوْتُ) والمَنِيَّةُ.

وتُوفِّيَ فُلانٌ: إذا مَاتَ.

(وتَوَفَّاه اللّهُ) عَزَّ وجَلَّ: إذا (قَبَضَ) نَفْسَهُ، وفي الصِّحاحِ: (رُوحَه). وقال غَيْرُه: تَوَفِّي المَيِّتِ: اسْتِيفاءُ مُدَّتِه الَّتِي وُفِيَتْ له وعَدَدُ أَيّامِه وشُهُورِه وأعوامِه في الدُّنيا، ومنه قَوْلُه تعالَى: ﴿ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾[٢]، أي: يَسْتَوْفِي مُدَدَ آجالِهِمْ في الدُّنْيا، وقِيلَ: يَسْتَوْفِي تمامَ

(١) لحن العوام (تحقيق د. رمضان) ٢١٠، (باختلاف في بعض الألفاظ).
(٢) [قلت: انظر النهاية واللسان. ع].

(١) في مطبوع التاج ومخطوطه «حسباناتهم» والمثبت من اللسان.
(٢) سورة الزُّمر، الآية: ٤٢.

٢٢٠

ومن المجاز: أ....... وتوفّي فلان، وتوفّاه الله تعالى، وأدركته الوفاة. (أساس البلاغة (2/ 348)

أساس البلاغة

تأليف
أبي القاسم جار الله محمود بن عمر بن أحمد الزمخشري
المتوفى سنة ٥٣٨ هـ

تحقيق
محمد باسل عيون السود

الجزء الثاني

المحتوى:
فأد - يهم

منشورات
محمد علي بيضون
دار الكتب العلمية
بيروت - لبنان

وقال بشر: [من الوافر]

كأنّ الأتحميّة قام فيها
لحسن دلالها رشأٌ موافي[١]

مفاجىء؛ وقال آخر: [من الكامل]

وكأنّ ما وافاك يوم لقيتها
من وحشِ وَجْرَةَ عاقدٌ متربّبُ[٢]

وأوفى على شَرَف من الأرض: أشرف.
ومن المجاز: أوفَى على المائة إذا زاد عليها. ووافيتُ العامَ: حججتُ. وتُوُفِّيَ فلانٌ، وتوفّاه الله تعالى، وأدرَكته الوَفاةُ.

* وقب: وقَب اللّيلُ، وظلامٌ واقبٌ. ووقَبتِ الشّمسُ: وجبت. ووقَبتْ عيناه: غارتا. وشربتُ من الوَقْبِ وهو القَلْتُ. وحبّذا وَقْبَةُ الثريد. وسمعتَ وقيبَ الفرس ووعِيقَهُ وهو صوت قُنْبِه. وتقول العرب: تعوّذوا بالله من حَميّة الأوقاب واللّئام[٣]، الوَقْبُ: الأحمقُ. وامرأة مِيقابٌ: مِحماقٌ.

* وقت: شيء موقوت ومُوَقَّتٌ: محدود. وجاؤوا للميقات وبلغوا الميقاتَ: من مواقيت الحجّ. والهلال ميقات الشهر. والآخرة ميقات الخَلق وهو مصير الوقت.

* وقح: حافرٌ وَقَاحٌ: صُلْبٌ، وقد وَقَحَ ووَقُحَ ووَقِحَ واستوقح، ووقّحه البَيطارُ بالشحمة المذابة.
ومن المجاز: رجلٌ وَقِحٌ ووَقَاحٌ: بيّن الوقاحة والقِحَةِ، وقد وَقُحَ وتوقّح، ورجل مُوَقَّع ومُوَقَّح: كذّته البلايا حتى استحكم. وبعير مُوَقَّح: مكدود بالعمل.

* وقد: وقَدتِ النّارُ وُقوداً ووَقْداً، واتّقدت وتوقّدت، وأوقدتُها ووقّدتُها واستوقدتها، ورفعتُها بالوَقود، وهذا مَوْقِدُ النّار ومُوقَدُها ومستوقَدها، وما أعظم هذا الوَقَدَ! وهو النّار. وزَنْدٌ ميقادٌ: سريع الوَرْي. ووقفنا قريباً من المِيقدةِ: وهي بالمَشعر الحرام على قُزَحٍ كان أهل الجاهليّة يوقدون عليها النّار.
ومن المجاز: طبختْهم وَقْدَةُ الصيف. ووَقَدَ الحصى؛ قال الشمّاخ: [من الطويل]

رَعَينَ النّدى حتى إذا وَقَدَ الحصَى
ولم يبقَ من نوء السّماك بروق[٤]

وقلبٌ وقّاد. ويقال للأعمى: هو غائر الواقِدَين، ورُويَ: [من المتقارب]

رأت رجلاً غائر الواقدَين[٥]

* وقذ: وقَذه بالضّرب. وشاة موقوذة ووَقيذ، ووُقِذَتْ بالعصا حتى ماتت، وكان أهل الجاهليّة يقِذون البهائمَ. وضربتُ الحيّة حتى وَقذتُها. وضربه على مَوْقِذٍ من موَاقِذه وهي المواضع التي يشتدّ عليها الضرب وهي المرفق وطرف المنكب والركبة والكعب.
ومن المجاز: وقَذَته العبادةُ. ووقذَتْني كلمة سمعتها. وفي قلبي وَقْذَةٌ من ذلك: أثر باقٍ من

---

(١) ديوان بشر بن أبي خازم ١٤٣، واللسان (وفى)، والتاج (وفي)، والتهذيب ١٥/ ٥٨٧.
(٢) البيت لساعدة بن جؤية في شرح أشعار الهذليين ١٠٩٩، واللسان والتاج (عقد)، وبلا نسبة في التهذيب ١٥/ ٥٨٧، واللسان (وفى)، والتاج (وفي).
(٣) في النهاية ٥/ ٢١٢ (في حديث الأحنف: إياكم وحمية الأوقاب).
(٤) ديوان الشماخ ٢٤٢.
(٥) تقدم تمامه في (وفد)، وهو للأعشى في ديوانه ١٤٥.

اب رہا یہ سوال کہ اس آیت میں مجازی معنی کیوں نہیں لیا جا سکتا تو جواب عرض ہے کہ علماء بلاغت کے نزدیک مجازی معنی وہاں لیا جاتا ہے جہاں حقیقی معنی لینا صحیح اور ممکن نہ ہو جبکہ اس آیت میں حقیقی معنی لینا صحیح بھی ہے اور ممکن بھی پھر مجازی معنی کی طرف کیوں جایا جائے، ویسے بھی قرآن اپنی تفسیر خود فرماتا ہے

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدہ: 117)

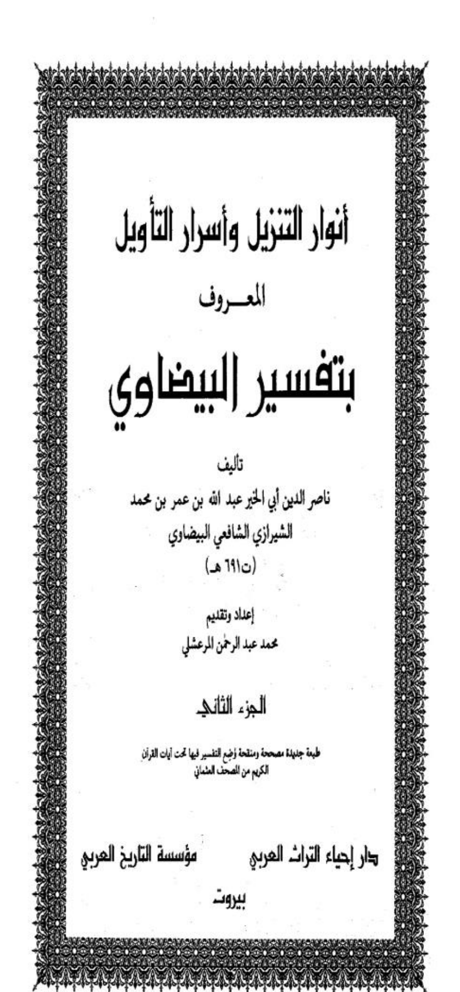
میں توفی کے وہی معنی ہیں جو

اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ (آل عمران: 55)

میں توفی کے ہیں،فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ اس وعدہ کے پورا ہونے کا بیان ہے جو اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ میں کیا گیا تھا۔

یہ پوراپورا لینے کا وعدہ اسی طرح پوراہوا جس طرح کیا گیا تھا یعنی پوراپورا لینا بصورت رَافِعُكَ اِلَیَّ۔اور یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کر رہے بلکہ مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي بالرفع إلى السماء لقوله: إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرافِعُكَ (تفسير البيضاوي = أنوار التنزيل وأسرار التأويل (2/ 151)



أنوار التنزيل وأسرار التأويل

المعروف

بتفسير البيضاوي

تأليف

ناصر الدين أبي الخير عبد الله بن عمر بن محمد

الشيرازي الشافعي البيضاوي

(ت٦٩١ هـ)

إعداد وتقديم

محمد عبد الرحمن المرعشلي

الجزء الثاني

طبعة جديدة مصححة وملونة وُضِع التفسير فيها تحت آيات القرآن الكريم من المصحف العثماني

دار إحياء التراث العربي — مؤسسة التاريخ العربي

بيروت

١٥١ — ٥ ـ سورة المائدة/ الآيات: ١١٦ ـ ١٢٠

﴿وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ قَالَ سُبْحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِىٓ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِى بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُۥ فَقَدْ عَلِمْتَهُۥ تَعْلَمُ مَا فِى نَفْسِى وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِى نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلْغُيُوبِ (١١٦)﴾

﴿وَإِذْ قَالَ الله يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّي إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ الله﴾ يريد به توبيخ الكفرة وتبكيتهم، ومن دون الله صفة لإلهين أو صلة اتخذوني، ومعنى دون إما المغايرة فيكون فيه تنبيه على أن عبادة الله سبحانه وتعالى مع عبادة غيره كلا عبادة، فمن عبده مع عبادتهما كأنه عبدهما ولم يعبده أو القصور، فإنهم لم يعتقدوا أنهما مستقلان باستحقاق العبادة وإنما زعموا أن عبادتهما توصل إلى عبادة الله سبحانه وتعالى وكأنه قيل: اتخذوني وأمي إلهين متوصلين بنا إلى الله سبحانه وتعالى. ﴿قَالَ سُبْحَانَكَ﴾ أنزهك تنزيهاً من أن يكون لك شريك. ﴿مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ﴾ ما ينبغي لي أن أقول قولاً لا يحق لي أن أقوله. ﴿إِنْ كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلاَ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ تعلم ما أخفيه في نفسي كما تعلم ما أعلنه، ولا أعلم ما تخفيه من معلوماتك. وقوله في نفسك للمشاكلة وقيل المراد بالنفس الذات. ﴿إِنَّكَ أَنتَ عَلاَّمُ الغُيُوبِ﴾ تقرير للجملتين باعتبار منطوقه ومفهومه.

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِى بِهِۦٓ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّى وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِى كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ (١١٧) إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ (١١٨)﴾

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلاَّ مَا أَمَرْتَنِي بِهِ﴾ تصريح بنفي المستفهم عنه بعد تقديم ما يدل عليه. ﴿أَنِ اعْبُدُوا الله رَبِّي وَرَبَّكُمْ﴾ عطف بيان للضمير في به، أو بدل منه وليس من شرط البدل جواز طرح المبدل منه مطلقاً ليلزم بقاء الموصول بلا راجع، أو خبر مضمر أو مفعوله مثل هو أو أعني، ولا يجوز إبداله من ما أمرتني به فإن المصدر لا يكون مفعول القول ولا أن تكون أن مفسرة لأن الأمر مسند إلى الله سبحانه وتعالى، وهو لا يقول اعبدوا الله ربي وربكم والقول لا يفسر بل الجملة تحكي بعده إلا أن يؤول القول بالأمر فكأن قيل: ما أمرتهم إلا بما أمرتني به أن ﴿اعبدوا الله﴾. ﴿وَكُنت عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ أي رقيباً عليهم أمنعهم أن يقولوا ذلك ويعتقدوه، أو مشاهداً لأحوالهم من كفر وإيمان. ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيتني﴾ بالرفع إلى السماء لقوله: ﴿إني متوفيك ورافعك﴾ والتوفي أخذ الشيء وافياً، والموت نوع منه قال الله تعالى: ﴿الله يتوفى الأنفس حين موتها والتي لم تمت في منامها﴾. ﴿كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيهِمْ﴾ المراقب لأحوالهم فتمنع من أردت عصمته من القول به بالإرشاد إلى الدلائل والتنبيه عليها بإرسال الرسل وإنزال الآيات. ﴿وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ مطلع عليه مراقب له.

﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنهم عِبَادُكَ﴾ أي إن تعذبهم فإنك تعذب عبادك ولا اعتراض على المالك المطلق فيما يفعل بملكه، وفيه تنبيه على أنهم استحقوا ذلك لأنهم عبادك وقد عبدوا غيرك. ﴿وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ العزِيزُ الحَكِيمُ﴾ فلا عجز ولا استقباح فإنك القادر القوي على الثواب والعقاب، الذي لا يثيب ولا يعاقب إلا عن حكمة وصواب فإن المغفرة مستحسنة لكل مجرم، فإن عذبت فعدل وإن غفرت ففضل. وعدم غفران الشرك بمقتضى الوعيد فلا امتناع فيه لذاته ليمنع الترديد والتعليق بأن.

﴿قَالَ ٱللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ ٱلصَّٰدِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ (١١٩) لِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌۢ (١٢٠)﴾

} فَلَمَّا توفيتني } بالرفع إلى السماء كما في قوله تعالى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ(تفسير أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم (3/ 101)

تفسير أبي السعود

المسمى إرشاد العقل السليم إلى مزايا القرآن الكريم

لقاضي القضاة الإمام
أبي السعود محمد بن محمد العمادي
المتوفى سنة ٩٥١ هجرية

الجزء الثالث

الناشر
دار إحياء التراث العربي
بيروت - لبنان

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ ٥ المائدة

وفيه من المبالغة فى التنزيه من حيث الاشتقاق من السبح الذى هو الذهاب والإبعاد فى الأرض ومن جهة النقل إلى صيغة التفعيل ومن جهة العدول من المصدر إلى الاسم الموضوع له خاصة المشير إلى الحقيقة الحاضرة فى الذهن ومن جهة إقامته مقام المصدر مع الفعل مالا يخفى أى أنزهك تنزيهاً لائقاً بك من أن أقول ذلك أو من أن يقال فى حقك ذلك وأما تقدير من أن يكون لك شريك فى الألوهية فلا يساعده سباق النظم الكريم وسياقه وقوله تعالى (ما يكون لى أن أقول ما ليس لى بحق) استئناف مقرر للتنزيه ومبين للمنزه منه وما عبارة عن القول المذكور أى ما يستقيم وما ينبغى لى أن أقول قولا لا يحق لى أن أقوله وإيثار ليس على الفعل المنفى لظهور دلالته على استمرار انتفاء الحقية وإفادة التأكيد بما فى حيزه من الباء فإن اسمه ضميره العائد إلى ما وخبره بحق والجار والمجرور فيما بينهما للتبيين كما فى سقيا لك ونحوه وقوله تعالى (إن كنت قلته فقد علمته) استئناف مقرر لعدم صدور القول المذكور عنه عليه السلام بالطريق البرهانى فإن صدوره عنه مستلزم لعلمه تعالى به قطعاً فحيث انتفى علمه تعالى به انتفى صدوره عنه حتماً ضرورة أن عدم اللازم مستلزم لعدم الملزوم (تعلم ما فى نفسى) استئناف جار مجرى التعليل لما قبله كأنه قيل لأنك تعلم ما أخفيه فى نفسى فكيف بما أعلنه وقوله تعالى (ولا أعلم ما فى نفسك) بيان للواقع وإظهار لقصوره أى ولا أعلم ما تخفيه من معلوماتك وقوله فى نفسك للمشاكلة وقيل المراد بالنفس هو الذات ونسبة المعلومات إليها لما أنها مرجع الصفات التى من جملتها العلم المتعلق بها فلم يكن كنسبتها إلى الحقيقة وقوله تعالى (إنك أنت علام الغيوب) تعليل لمضمون الجملتين منطوقا ومفهوماً وقوله تعالى (ما قلت لهم إلا ما أمرتنى به) ١١٧ استئناف مسوق لبيان ما صدر عنه قد أدرج فيه عدم صدور القول المذكور عنه على أبلغ وجه وآكده حيث حكم بانتفاء صدور جميع الأقوال المغايرة للمأمور به فدخل فيه انتفاء صدور القول المذكور دخولا أولياً أى ما أمرتهم إلا بما أمرتنى به وإنما قيل ما قلت لهم نزولا على قضية حسن الأدب ومراعاة لما ورد فى الاستفهام وقوله تعالى (أن اعبدوا الله ربى وربكم) تفسير للمأمور به وقيل عطف بيان للضمير فى به وقيل بدل منه وليس من شرط البدل جواز طرح المبدل منه مطلقاً ليلزم بقاء الموصول بلا عائد وقيل خبر مضمر أو مفعوله مثل هو أو أعنى (وكنت عليهم شهيداً) رقيباً أراعى أحوالهم وأحملهم على العمل بموجب أمرك وأمنعهم عن المخالفة أو مشاهداً لأحوالهم من كفر وإيمان (ما دمت فيهم) ما مصدرية ظرفية تقدر بمصدر مضاف إليه زمان ودمت صلتها أى كنت شهيداً عليهم مدة دوامى فيما بينهم (فلما توفيتنى) بالرفع إلى السماء كما فى قوله تعالى إنى متوفيك ورافعك إلى فإن التوفى أخذ الشىء وافياً والموت نوع منه قال تعالى الله يتوفى الأنفس حين موتها والتى لم تمت فى منامها (كنت أنت الرقيب عليهم) لا غيرك فأنت ضمير الفصل أو تأكيد وقرىء الرقيب بالرفع على أنه خبر أنت والجملة خبر لكان وعليهم

(فلمَّا تَوَفَّيْتَنِي) والمرادُ منهُ: الوفاةُ بالرَّفعِ إلى السَّماءِ من قوله: { إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ} [آل عمران: 55]

(اللباب في علوم الكتاب (7/ 624).

اللُّبَاب في عُلوم الكِتَاب

تأليف

الإمام المفسّر أبي حفص عمر بن عليّ ابن عادل الدمشقي الحنبلي

المتوفى بعد سنة ٨٨٠هـ

تحقيق وتعليق

الشيخ عادل أحمد عبد الموجود — الشيخ علي محمد معوض

شارك في تحقيقه برسالته الجامعيّة

الدكتور محمد سعد رمضان حسن / الدكتور محمد المتولي الدسوقي حرب

الجزء السابع

المحتوى:

الآية (١٠٥) من سورة النساء - آخر سورة المائدة

منشورات
محمد علي بيضون
دار الكتب العلمية
بيروت - لبنان

٢١٠٠ - .... وَكُنْتَ عَلَيْهَا بِالمَلا أنْتَ أقْدَرُ[١]

وقد تقدَّم اشتقاقُ «الرقيب». و «عليهم» متعلِّقٌ به. و «على كلِّ شيء» متعلِّقٌ بـ «شهيد» قُدِّمَ للفاصلة.

فصل

معنى الكلام «وكُنْتُ عليهمْ شَهِيداً» أي: كنتُ أشْهَدُ على ما يَفْعَلُون، ما دمتُ مُقِيماً فيهم، «فلمَّا تَوَفَّيْتَنِي» والمرادُ منهُ: الوفاةُ بالرَّفعِ إلى السَّماءِ من قوله: ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ [آل عمران: ٥٥].

و ﴿كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيۡهِمۡۚ﴾، قال الزجاج[٢]: الحَافِظُ عليهم بَعْد مُفارقَتِي عَنْهُم.

فالشَّهِيدُ: المُشاهِد، ويجُوزُ حَمْلُه على الرُّؤيَة، ويجُوزُ حَمْلُهُ على العِلْم، ويجُوزُ حَمْلُه على الكلامِ بمعنى الشَّهَادَة، فالشَّهِيدُ من أسْمَاء الصِّفَاتِ الحَقِيقيَّةِ على جَمِيع التَّقْدِيرَاتِ.

قوله تعالى: ﴿إِن تُعَذِّبۡهُمۡ فَإِنَّهُمۡ عِبَادُكَۖ وَإِن تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ ١١٨﴾

فيه سؤالٌ: وهُو أنَّهُ كيف طلبَ المغفِرَة وهم كُفَّارٌ، واللَّهُ لا يغْفِرُ الشِّرْكَ؟ والجوابُ من وُجُوه:

الأول: أنَّهُ تعالى لمَّا قال لعيسى - عليه الصَّلاة والسَّلام -: «﴿ءَأَنتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيۡنِ مِن دُونِ ٱللَّهِۖ﴾، عَلِمَ أنَّ قوماً من النَّصَارى حَكوا هذا الكلام عَنْهُ والحَاكِي هذا الكُفر لا يكُون كَافِراً، بل مُذْنِباً بكذبِهِ في هذه الحكايَةِ، وغُفْرَانُ الذَّنْب جَائِزٌ، فلهذا طلبَ المَغْفِرَة.

والثاني: أنَّهُ يجُوزُ من الله - تعالى - أنْ يدخل الكُفَّارَ الجنَّة، ويدخل الزُّهَّاد النَّار؛ لأنَّ المُلْكَ مُلْكُهُ، ولا اعْتِرَاض لأحدٍ عليه، فكان غَرَضُ عيسى - عليه الصلاة والسلام - بهذا الكلامِ تَفْوِيضِ الأمُور كُلّها إلى الله - تعالى -، وترك الاعْتِرَاض بالكُلِّيَّةِ، ولذَلِك ختم الكلام بقوله ﴿فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ﴾ أي: القادرُ على ما تُرِيدُ، الحكيم فيما تفعل لا اعتراض لأحد عليْكَ، وما أحسن ما قِيلَ: فإن أتَيْتُ ذَنْباً عظِيماً فأنْتَ للعَفْوِ أهْلٌ، فإن غَفَرْتَ ففضلٌ، وإن جَزيْتَ فعَدْلٌ.

---

(١) عجز بيت لقيس بن ذريح وصدره:

أُبَكِّي على لُبْنى وأنت تركتها ....

ينظر: شرح أبيات سيبويه ١/ ٢٤٤، شرح المفصل ٣/ ١١٢، الكتاب ٢/ ٣٩٣، لسان العرب (ملا)، المقتضب ٤/ ١٠٥، الدر المصون ٢/ ٦٥٩.

(٢) ينظر: تفسير الفخر الرازي ١٢/ ١١٣.

}

مادمت فيهم فلما توفيتني } بالرفع إلى السماء لقوله تعالى: {إني متوفيك ورافعك إليّ} (آل عمران، 55)(السراج المنير (1/408)

(انك انت علام الغيوب) تقرير لجملتي تعلم ما في نفسي ولا أعلم ما في نفسك باعتبار منطوق انك أنت علام الغيوب ومفهومه لانه يدل بمنطوقه على أنه تعالى لا يعلم الغيب غيره فيكون تقريرا لقوله تعالى ولا أعلم ما في نفسك وقرأ حمزة وشعبة بكسر الغين والباقون بالضم (ماقلت لهم الا ما أمرتني به) وهو (أن اعبدوا الله ربي وربكم) أي فانا واياهم في العبودية سواء (وكنت عليهم شهيدا) أي رقيبا أمنعهم مما يقولون (مادمت فيهم فلما توفيتني) بالرفع الى السماء لقوله تعالى اني متوفيك ورافعك الي والتوفي أخذ الشيء وافيا والموت نوع منه قال الله تعالى الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها (كنت أنت الرقيب) أي الحفيظ (عليهم) أي لاعمالهم (وأنت على كل شيء) من قولي وقولهم وغير ذلك (شهيد) أي مطلع عالم به (ان تعذبهم) أي من أقام على الكفر منهم (فانهم عبادك) وأنت مالكهم تتصرف فيهم كيف شئت لا اعتراض عليك (وان تغفر لهم) أي لمن آمن منهم (فانك أنت العزيز) أي الغالب على أمره (الحكيم) في صنعه فان عذبت فعدل وان عفوت فتفضل (قال الله) تعالى (هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم) أي في الدنيا كعيسى فان النافع ما كان حال التكليف لا صدقهم في الآخرة وقرأ نافع بنصب الميم على انه ظرف لقال وخبر هذا محذوف والمعنى هذا الذي من كلام عيسى عليه السلام واقع يوم ينفع والباقون بالرفع على الخبر وقيل أراد بالصادقين النبيين وقال الكلبي ينفع المؤمنين ايمانهم وقال قتادة متكلمان يخطبان يوم القيامة عيسى عليه الصلاة والسلام وهو ما قص الله تعالى وعدو الله ابليس وهو قوله تعالى وقال الشيطان لما قضي الامر فصدق عدو الله يومئذ وكان كاذبا فلم ينفعه صدقه قال ولما كان عيسى صادقا في الدنيا والآخرة نفعه صدقه * ثم بين تعالى ثوابهم فقال (لهم جنات تجري من تحتها الانهار خالدين فيها) وأكد معنى ذلك بقوله تعالى (أبدا) ولما كان ذلك لا يتم الا برضا الله تعالى قال (رضي الله عنهم) بطاعته (ورضوا عنه) بثوابه (ذلك) أي هذا الامر العلي لا غيره (الفوز العظيم) وأما الكاذبون في الدنيا فلا ينفعهم صدقهم في ذلك اليوم كالكفار لما يؤمنون عند رؤية العذاب (لله ملك السموات والارض) أي خزائن المطر والنبات والرزق وغيرها (وما فيهن) من انس وجن وملك وغيرهم ملكا وخلقا وأتى بما دون من تغليبا لغير العاقل (وهو على كل شيء قدير) ومنه اثابة الصادق وتعذيب الكاذب قال السيوطي وخص العقل ذاته فليس عليها بقادر وقول البيضاوي عن النبي صلى الله عليه وسلم من قرأ سورة المائدة أعطي من الاجر عشر حسنات ومحي عنه عشر سيآت ورفع له عشر درجات بعدد كل يهودي ونصراني يتنفس في الدنيا حديث موضوع

(سورة الانعام مكية)

روي أنها نزلت بمكة جملة واحدة ليلا ونزل معها سبعون ألف ملك قد سدوا ما بين الخافقين لهم زجل بالتسبيح والتحميد والتمجيد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم سبحان ربي العظيم وخر

ساجدا

الجزء الاول من السراج المنير في الاعانة
على معرفة بعض معاني كلام ربنا
الحكيم الخبير للشيخ الامام
الخطيب الشربيني قدس
الله روحه وعم بالرحمة
ضريحه
آمين
م

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي أي: بالرفع إلى السماء. كما في قوله تعالى: إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرافِعُكَ إِلَيَّ [آل عمران: 55] .(تفسير القاسمي = محاسن التأويل (4 / 301)

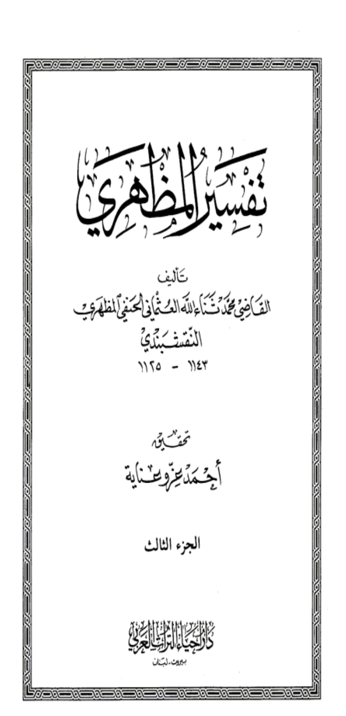
مختصر یہ کہ

اصولی طور پر ایک لفظ کے حقیقی معنی ہی لینے چاہیے جب تک حقیقی معنوں لینا محال نہ ہو، اسی لیے ہم فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کا حقیقی معنی کرتے ہیں یعنی "جب تو نے مجھے پورا پورا لے لیا" اور یہ پورا پورا لینا بصورت "قبضتني ورفعتني إليك" تھا ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی تفسیر خود کرتا ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کی تفسیر رَافِعُكَ إِلَيَّ اور بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ کی صورت میں قرآن کر چکا ہے جو ہمیں مجبور کرتا ہے کہ توفی کے حقیقی معنی یعنی أخذ الشيء وافيا کو لیا جائے ۔

تیسری وجہ مفسرین اکرم نے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے معنی "قبضتني" اور "رفعتني" جیسے الفاظ سے فرمائے ہیں اسی لیے ہم توفی کے حقیقی معنی لیے کے لیے مجبور ہیں۔ "قبضتني" و"رفعتني" کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں

ما دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي يعنى قبضتنى ورفعتنى إليك (التفسير المظهري (3 / 209)


تفسير المظهري
تأليف
القاضي محمد ثناء الله العثماني الحنفي المظهري النقشبندي
١١٤٣ - ١١٢٥
تحقيق
أحمد عزو عناية
الجزء الثالث
دار إحياء التراث العربي
بيروت - لبنان

٢٣٤ الجزء الثالث من كتاب تفسير المظهري

طرح المبدل منه مطلقًا حتى يلزم بقاء الموصول بلا عائد أو خبر مبتدأ محذوف، أعني هو أو منصوب بتقدير أعني ولا يجوز إبداله من ما أمرتني به فإن المصدر لا يكون مقول القول ولا أن يكون إن مفسرة لأن الأمر مسند إلى الله وهو لا يقول أعبدوا الله ربي وربكم، والقول لا يفسر بأن اللهم إلا أن يقال القول مأول بالأمر تقديره ما أمرتهم إلا ما أمرتني به ثم فسر عيسى أمر نفسه بقوله أن أعبدوا الله وفي وضع قلت موضع أمرت نكتة جليلة وهي التحاشي عن أن يجعل نفسه كالرب في كونه آمرًا ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ رقيبًا ومشاهدًا لأحوالهم من الكفر والإيمان مرشدهم إلى الحق مانعهم من القول والاعتقاد الباطل ﴿مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾ يعني قبضتني ورفعتني إليك والتوفي أخذ الشيء وافياً والموت نوع منه قال الله تعالى: ﴿ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَٱلَّتِى لَمْ تَمُتْ فِى مَنَامِهَا﴾(1) ﴿كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ المحافظ بأعمالهم والمراقب لأحوالهم فتمنع من أردت عصمته بالإرشاد إلى الدلائل وإرسال الرسل وإنزال الكتب والتوفيق ﴿وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ من قولي وفعلي وقولهم وفعلهم ﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ ولا إعتراض على المالك المطلق بما فعل بملكه كيف وقد عبدوا غيرك وأنت خلقتهم وشكروا سواك وأنت أنعمت عليهم ﴿وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ﴾ القادر الغالب القوي على الثواب والعقاب فمغفرتك ليست عن عجز حتى يستقبح ﴿ٱلْحَكِيمُ﴾ لا تفعل إلا بمقتضى الحكمة يعني إن عذبت فعدل وإن غفرت ففضل وعدم غفران المشرك بمقتضى الوعيد لا ينافي جواز المغفرة لذاته حتى يمتنع الترديد والتعلق بأن، وليس فيه طلب المغفرة للكفار ومن ثم لم يقل فإنك أنت الغفور الرحيم، بل فيه تسليم الأمر وتفويضه إلى إرادة الله تعالىٰ وحكمته، وكان ابن مسعود يقرأ إن تغفر لهم فإنهم عبادك وإن تعذبهم فإنك أنت العزيز الحكيم، وكأنَّ هذه القراءة كان نظرًا إلى مناسبة العزيز الحكيم بالتعذيب دون المغفرة ولذلك، قيل: في الآية تقديم وتأخير وقد عرفت أن المستحسن المناسب هو الذي في القراءة المتواترة عن عبدالله بن عمر وبن العاص أن النبيّ ﷺ تلى قوله تعالىٰ في إبراهيم عليه السَّلام ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ فَمَن تَبِعَنِى فَإِنَّهُۥ مِنِّى وَمَنْ عَصَانِى فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾﴾ وفي عيسى قال: ﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾﴾ فقال: اللهم أمتي أمتي وبكى فقال: الله سبحانه يا جبرئيل اذهب إلى محمد وربك أعلم فاسأله ما يبكيك،

(1) سورة الزمر، الآية: ٤٢.

}مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي } قَبَضْتَنِي بِالرَّفْعِ إِلَى السَّمَاء(تفسير الجلالين (1/161)

القرآن الكريم

بالرسم العثماني

وبهامشه

تفسير الإمامين الجليلين

جلال الدين محمد بن أحمد محمد المحلي و جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي

مذيلاً

بكتاب لباب النقول في أسباب النزول للسيوطي

قدم له

فضيلة المحدث المحقق الشيخ عبد القادر الأرناؤوط

دار ابن كثير

قَالَ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ ٱللَّهُمَّ رَبَّنَآ أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ ٱلسَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَءَاخِرِنَا وَءَايَةً مِّنكَ وَٱرْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ ٱللَّهُ إِنِّى مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّىٓ أُعَذِّبُهُۥ عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهُۥٓ أَحَدًا مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١١٥﴾ وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ قَالَ سُبْحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِىٓ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِى بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُۥ فَقَدْ عَلِمْتَهُۥ تَعْلَمُ مَا فِى نَفْسِى وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِى نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِى بِهِۦٓ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّى وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِى كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ ٱللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ ٱلصَّٰدِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾ لِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌۢ ﴿١٢٠﴾

﴿ واشهد بأننا مسلمون ﴾.

١١٢ ـ اذكر ﴿ إذ قال الحواريون يا عيسى ابن مريم هل يستطيع ﴾ أي يفعل ﴿ ربك ﴾ وفي قراءة بالفوقانية ونصب ما بعده أي تقدر أن تسأله ﴿ أن ينزل علينا مائدة من السماء قال ﴾ لهم عيسى ﴿ اتقوا الله ﴾ في اقتراح الأيات ﴿ إن كنتم مؤمنين ﴾.

١١٣ ـ ﴿ قالوا نريد ﴾ سؤالها من أجل ﴿ أن نأكل منها وتطمئن ﴾ تسكن ﴿ قلوبنا ﴾ بزيادة اليقين ﴿ ونعلم ﴾ نزداد علماً ﴿ أن ﴾ مخففة أي أنك ﴿ قد صدقتنا ﴾ في ادعاء النبوة ﴿ ونكون عليها من الشاهدين ﴾.

١١٤ ـ ﴿ قال عيسى ابن مريم اللهم ربَّنا أنزل علينا مائدة من السماء تكون لنا ﴾ أي يوم نزولها ﴿ عيداً ﴾ نعظمه ونشرفه ﴿ لأوَّلنا ﴾ بدل من لنا بإعادة الجار ﴿ وآخرنا ﴾ ممن يأتي بعدنا ﴿ وآية منك ﴾ على قدرتك ونبوتي ﴿ وارزقنا ﴾ إياها ﴿ وأنت خير الرازقين ﴾.

١١٥ ـ ﴿ قال الله ﴾ مستجيباً له ﴿ إني منزلها ﴾ بالتخفيف والتشديد ﴿ عليكم فمن يكفر بعد ﴾ أي بعد نزولها ﴿ منكم فإني أعذبه عذاباً لا أعذبه أحداً من العالمين ﴾ فنزلت الملائكة بها من السماء عليها سبعة أرغفة وسبعة أحوات فأكلوا منها حتى شبعوا قاله ابن عباس وفي حديث أنزلت المائدة من السماء خبزاً ولحماً فأمروا أن لا يخونوا ولا يدخروا لغد فخانوا وادخروا فمسخوا قردة وخنازير.

١١٦ ـ ﴿ و ﴾ اذكر ﴿ إذ قال ﴾ أي يقول ﴿ الله ﴾ لعيسى في القيامة توبيخاً لقومه ﴿ يا عيسى ابن مريم أأنت قلت للناس اتخذوني وأمي إلٰهين من دون الله قال ﴾ عيسى وقد أرعد ﴿ سبحانك ﴾ تنزيهاً لك عما لا يليق بك من شريك وغيره ﴿ ما يكون ﴾ ما ينبغي ﴿ لي أن أقول ما ليس لي بحق ﴾ خبر ليس، ولي للتبيين ﴿ إن كنت قلته فقد علمته تعلم ما ﴾ أخفيه ﴿ في نفسي ولا أعلم ما في نفسك ﴾ أي ما تخفيه من معلوماتك ﴿ إنك أنت علام الغيوب ﴾. ١١٧ ـ ﴿ ما قلت لهم إلا ما أمرتني به ﴾ وهو ﴿ أن اعبدوا الله ربي وربكم وكنتُ عليهم شهيداً ﴾ رقيباً أمنعهم مما يقولون ﴿ ما دمت فيهم فلما توفيتني ﴾ قبضتني بالرفع إلى السماء ﴿ كنتَ أنت الرقيب عليهم ﴾ الحفيظ لأعمالهم ﴿ وأنت على كل شيء ﴾ من قولي لهم وقولهم بعدي وغير ذلك ﴿ شهيد ﴾ مطلع عالم به. ١١٨ ـ ﴿ إنْ تعذبْهم ﴾ أي من أقام على الكفر منهم ﴿ فإنهم عبادك ﴾ وأنت مالكهم تتصرف فيهم كيف شئت لا اعتراض عليك ﴿ وإنْ تغفرْ لهم ﴾ أي لمن آمن منهم ﴿ فإنك أنت العزيز ﴾ على أمره ﴿ الحكيم ﴾ في صنعه. ١١٩ ـ ﴿ قال الله هذا ﴾ أي يوم القيامة ﴿ يوم ينفع الصادقين ﴾ في الدنيا كعيسى ﴿ صدقهم ﴾ لأنه يوم الجزاء. ﴿ لهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها أبداً رضي الله عنهم ﴾ بطاعته ﴿ ورضوا عنه ﴾ بثوابه ﴿ ذلك الفوز العظيم ﴾ ولا ينفع الكاذبين في الدنيا صدقهم فيه كالكفار لما يؤمنون عند رؤية العذاب.

يتبعوه فقال: إني ذاهب وإن لم يتبعني أحد، فانتدب معه أبو بكر وعمر وعثمان وعلي والزبير وسعد وطلحة وعبد الرحمن بن عوف وعبد الله بن مسعود وحذيفة بن اليمان وأبو عبيدة بن الجراح في سبعين رجلاً فساروا في طلب أبي سفيان فطلبوه حتى بلغوا الصفراء. فأنزل الله ﴿ الذين استجابوا لله

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي ، قَبَضْتَني وَرَفَعْتَني إِلَيْكَ.(تفسير البغوي – إحياء التراث (2/105)

تفسير البغوي

«معالم التنزيل»

للإمام محيي السنة أبي محمد الحسين بن مسعود البغوي

(المتوفى ـ ٥١٦هـ)

المجلد الثالث

حققه وخرّج أحاديثه

محمد عبد الله النمر عثمان جمعة ضميرية سليمان مسلم الحرش



مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِۦٓ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّى وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِى كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾

وكذا؟ فيما يعلم أنه لم يفعله، إعلاماً واستعظاماً لا استخباراً واستفهاماً.

وأيضاً: أراد الله عزّ وجلّ أنْ يقرَّ [عيسى عليه السلام عن][1] نفسه بالعبودية، فيسمع قومه، ويظهر كذبهم عليه أنه أمرهم بذلك، قال أبو روق: إذا سمع عيسى عليه السلام هذا الخطاب أرعدت مفاصله وانفجرت من أصل كل شعرة في جسده عين من دم، ثم يقول مجيبا لله عزّ وجلّ: ﴿قال سبحانَكَ﴾، تنزيهاً وتعظيماً لك ﴿ما يكونُ لي أنْ أقولَ ما ليسَ لي بحقٍ إنْ كنتُ قلتُهُ فقدْ علمتَه تعلمُ ما في نفسي ولا أعلمُ ما في نفسِكَ﴾، قال ابن عباس: تعلم ما في غيبي ولا أعلم ما في غيبك، وقيل معناه: تعلم سرِّي ولا أعلَم سرَّك، وقال أبو روق تعلم ما كان مني في دار الدنيا ولا أعلم ما يكون منك في الآخرة، وقال الزجاج: النفس عبارة عن جملة الشيء وحقيقته، يقول: تعلم جميع ما أعلم من حقيقة أمري ولا أعلم حقيقة أمرك، ﴿إنّك أنتَ علاّمُ الغُيوب﴾، ما كان وما يكون.

﴿ما قلتُ لهم إلاّ ما أمرتني به أنِ اعبدُوا الله رَبي وربكم﴾، [وحِّدوه][2] ولا تُشركوا به شيئاً، ﴿وكنتُ عليهم شهيداً ما دمتُ﴾، أقمت، ﴿فيهمْ فلمّا توفيتني﴾، قبضتني ورفعتني إليك، ﴿كنتَ أنتَ الرقيبَ عليهم﴾ والحفيظ عليهم، تحفظ أعمالهم، ﴿وأنتَ على كل شيء شهيد﴾.

قوله تعالى: ﴿إنْ تُعذبهمْ فإنهم عبادُكَ وإنْ تغفرْ لهم فإنك أنت العزيز الحكيم﴾، فإن قيل كيف طلب المغفرة لهم وهم كفار، وكيف قال: وإن تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم، وهذا لا يليق بسؤال المغفرة، قيل: أما الأول فمعناه إن تعذبهم بإقامتهم على كفرهم وإن تغفر لهم بعد الإيمان وهذا يستقيم على قول السدي: إن هذا السؤال قبل يوم القيامة لأن الإيمان لا ينفع في القيامة.

وقيل: هذا في فريقين منهم، معناه: إن تعذب من كفر منهم وإن تغفر لمن آمن منهم.

وقيل: ليس هذا على وجه طلب المغفرة ولو كان كذلك لقال: فإنك أنت الغفور الرحيم، ولكنه على تسليم الأمر وتفويضه إلى مراده.

(١) زيادة من «ب».

(٢) ساقط من «ب».

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي اى قبضتنى إليك من بينهم ورفعتنى الى السماء(روح البيان (2/466)

عبادى هؤلاء امهم ضلوا السبيل) انتهى * قال فى التأويلات النجمية الاثبات بعدالاستفهام نفى كما ان النفى بعدالاستفهام اثبات كقوله (ألست بربكم)اى انا ربكم ونظير النفى فى الاثبات قوله تعالى (ءاله مع الله) اى ليس مع الله آله فمعناه ما قلت انت للناس اتخذونى وامى الهين من دون الله ولكنهم بجهلهم قد بالغوا فى تعظيمك حتى اطروك وجاوزوا حدك فى المدح ولهذا قال النبى عليه السلام (لاتطرونى كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم) انتهى * فان قيل ماوجه هذا السؤال مع علمه تعالى ان عيسى عليه الصلاة والسلام لم يقله * قيل ذلك لتوبيخ قومه وتعظيم امر هذه المقالة * قال ابوروق اذا سمع عيسى هذا الخطاب ارتعدت مفاصله وانفجرت من اصل كل شعرة من جسده عين من دم وهذا الخطاب وان كان ظاهره مع عيسى ولكن كان حقيقة مع الامة لان سنة الله ان لايكلم الكفار يوم القيامة ولا ينظر اليهم ﴿ قال ﴾ كأنه قيل فماذا يقول عيسى حينئذ فقيل يقول ﴿ سبحانك ﴾ علم للتسبيح اى انزهك تنزيها لائقابك من ان اقول ذلك او من ان يقال فى حقك ذلك ﴿ مايكون لى ان اقول ماليس لى بحق ﴾ اى مايستقيم وما ينبغى لى ان اقول قولا لايحق لى ان اقوله ﴿ ان كنت قلته ﴾ اى هذا القول ﴿ فقد علمته ﴾ لانى لااقدر على هذا القول الا بان توجده فى وتكونه بقولك كن فصدوره عنى مستلزم لعلمك به قطعا فحيث انتفى العلم انتفى الصدور حتما ضرورة ان عدم اللازم مستلزم لعدم الملزوم ﴿ تعلم ما فى نفسى ﴾ اى ما اخفيه فى نفسى كما تعلم ما اعلنه ﴿ ولا اعلم ما فى نفسك ﴾ اى ولا اعلم ما تخفيه من معلوماتك فعبر عما يخفيه الله من معلوماته بقوله ما فى نفسك للمشاكلة لوقوعه فى صحبة قوله تعلم ما فى نفسى فان معلومات الانسان مختفية فى نفسه بمعنى كون صورها مرتسمة فيها بخلاف معلومات الله تعالى فان علمه تعالى حضورى لاتنقطع صورة شئ منها فى ذاته فلا يصح ان يحمل النفس على المعنى المتبادر ﴿ انك انت علام الغيوب ﴾ ما كان وما يكون ﴿ ما قلت لهم الا ما امرتنى به ﴾ تصريح بنفى المستفهم عنه بعد تقديم مايدل عليه اى ما امرتهم الا ما امرتنى به وانما قيل ماقلت لهم نزولا على قضية حسن الادب ومراعاة لما ورد فى الاستفهام ﴿ ان اعبدوا الله ربى وربكم ﴾ تفسير للضمير فى به وفى امرت معنى القول وليس تفسيرا لما فى قوله ما امرتنى لانه مفعول لصريح القول والتقدير الا ما امرتنى به بلفظ هو قولك ان اعبدوا الله ربى وربكم ﴿ وكنت عليهم شهيدا ﴾ رقيبا اراعى احوالهم واحملهم على العمل بموجب امرك وامنعهم عن المخالفة او مشاهدا لاحوالهم من كفر وايمان ﴿ مادمت فيهم ﴾ اى مدة دوامى فيما بينهم ﴿ فلما توفيتنى ﴾ اى قبضتنى اليك من بينهم ورفعتنى الى السماء ﴿ كنت انت الرقيب عليهم ﴾ اى انت لاغيرك كنت الحافظ لاعمالهم والمراقب لها فمنعت من اردت عصمته عن المخالفة بالارشاد الى الدلائل والتنبيه عليها بارسال الرسول وانزال الآيات وخذلت من خذلت من الضالين فقالوا ماقالوا ﴿ وأنت على كل شئ شهيد ﴾ مطلع عليه مراقب له فعلى متعلقة بشهيد والتقديم لمراعاة الفاصلة ﴿ ان تعذبهم فانهم عبادك ﴾ اى فانك تعذب عبادك ولا اعتراض على المالك المطلق فيما يفعل بملكه . وفيه

(تنبيه)

المجلد الثانى

من

تفسير روح البيان

تأليف الامام العالم الفاضل والشيخ النحرير الكامل الجامع بين البواطن والظواهر ومفخر الاماثل والاكابر خاتمة المفسرين وقدوة ارباب الحقيقة واليقين فريد اوانه وقطب زمانه منبع جميع العلوم مولانا ومولى الروم الشيخ اسماعيل حق البروسوى

قدس سره العالى

المتوفى سنة ١١٣٧

دار

احياء التراث العربى

بيروت - لبنان

لیکن قادیانی حضرات کو ان کے گھر تک پہنچانے کے لیے ان کے مرزا صاحب کا ایک اصول ملاحظہ فرمائیں

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں حقیقی اور مجازی معنی کا ایک اصول لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں

”یہ بات ادنیٰ ذی علم کو بھی معلوم ہوگی کہ جب کوئی لفظ حقیقت مسلّمہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی ایسے معنوں پر جن کے لئے وہ عام طور پر موضوع یا عام طور پر مستعمل ہو گیا ہے تو اس جگہ متکلم کے لئے کچھ ضروری نہیں ہوتا کہ اس کی شناخت کے لئے کوئی قرینہ قائم کرے کیونکہ وہ اُن معنوں میں شائع متعارف اور متبادر الفہم ہے لیکن جب ایک متکلم کسی لفظ کے معانی حقیقت مسلّمہ سے پھیر کر کسی مجازی معنی کی طرف لے جاتا ہے تو اس جگہ صراحتًا یا کنایتًا یا کسی دوسرے رنگ کے پیرائے میں کوئی قرینہ اس کو قائم کرنا پڑتا ہے تا اس کا سمجھنا مشتبہ نہ ہو اور اس بات کے دریافت کے لئے کہ متکلّم نے ایک لفظ بطور حقیقت مُسلّمہ استعمال کیا ہے یا بطور مجاز اور استعارہ نادرہ کے بھی کھلی کھلی علامت ہوتی ہے کہ وہ حقیقت مسلّمہ کو ایک متبادر اور شائع و متعارف لفظ سمجھ کر بغیر احتیاج قرائن کے یونہی مختصر بیان کر دیتا ہے۔ مگر مجاز یا استعارہ نادرہ کے وقت ایسا اختصار پسند نہیں کرتا بلکہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ کسی ایسی علامت سے جس کو ایک دانشمند سمجھ سکے اپنے اس مدعا کو ظاہر کر جائے کہ یہ لفظ اپنے اصل معنوں پر مستعمل نہیں ہوا۔“ (ازالہ اوہام ص۳۳۳، خزائن ج۳ ص۲۶۹)

روحانی خزائن جلد۳ — ۲۶۹ — ازالہ اوہام حصہ اول

نام سورۃ	الجزو	آیت قرآن کریم
زمر	۲۴	مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔
الانعام	۷	هُوَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ☆

اب ظاہر ہے کہ ان تمام مقامات قرآن کریم میں **توفّی** کے لفظ سے موت اور قبض روح ہی مراد ہے اور دو مؤخر الذکر آیتیں اگرچہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان دونوں آیتوں میں بھی نیند نہیں مراد لی گئی بلکہ اس جگہ بھی اصل مقصد اور مدعا موت ہے اور یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے اور جیسی موت میں روح قبض کی جاتی ہے نیند میں بھی روح قبض کی جاتی ہے۔ سو ان دونوں مقامات میں نیند پر **توفّی** کے لفظ کا اطلاق کرنا ایک استعارہ ہے جو بہ نصب قرینۂ نوم استعمال کیا گیا ہے یعنی صاف لفظوں میں نیند کا ذکر کیا گیا ہے تا ہر ایک شخص سمجھ لیوے کہ اس جگہ **توفّی** سے مراد حقیقی موت نہیں ہے بلکہ مجازی موت مراد ہے جو نیند ہے۔ «۳۳۳» یہ بات ادنیٰ ذی علم کو بھی معلوم ہوگی کہ جب کوئی لفظ حقیقت مسلّمہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی ایسے معنوں پر جن کے لئے وہ عام طور پر موضوع یا عام طور پر مستعمل ہو گیا ہے تو اس جگہ متکلم کے لئے کچھ ضروری نہیں ہوتا کہ اس کی شناخت کے لئے کوئی قرینہ قائم کرے کیونکہ وہ اُن معنوں میں شائع متعارف اور متبادر الفہم ہے لیکن جب ایک متکلم کسی لفظ کے معانی حقیقت مسلّمہ سے پھیر کر کسی مجازی معنی کی طرف لے جاتا ہے تو اس جگہ صراحتًا یا کنایتًا یا کسی دوسرے رنگ کے پیرایہ میں کوئی قرینہ اس کو قائم کرنا پڑتا ہے تا اس کا سمجھنا مشتبہ نہ ہو اور اس بات کے دریافت کے لئے کہ متکلّم نے ایک لفظ بطور حقیقت مُسلّمہ استعمال کیا ہے یا بطور مجاز اور استعارہ نادرہ کے بھی کھلی کھلی علامت ہوتی ہے کہ وہ حقیقت مسلّمہ کو ایک متبادر اور شائع و متعارف لفظ سمجھ کر

☆ اس فہرست میں سورۃ یونس آیت نمبر ۱۰۵ (اَلَّذِیْ يَتَوَفّٰىكُمْ) درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ (ناشر)

روحانی خزائن جلد۳ — ۲۷۰ — ازالہ اوہام حصہ اول

بغیر احتیاج قرائن کے یونہی مختصر بیان کر دیتا ہے مگر مجاز یا استعارہ نادرہ کے وقت ایسا اختصار پسند نہیں کرتا بلکہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ کسی ایسی علامت سے جس کو ایک دانشمند سمجھ سکے اپنے اس مدعا کو ظاہر کر جائے کہ یہ لفظ اپنے اصل معنوں پر مستعمل نہیں ہوا۔ «۳۳۴»

اب چونکہ یہ فرق حقیقت اور مجاز کا صاف طور پر بیان ہو چکا تو جس شخص نے قرآن کریم پر اوّل سے آخر تک نظر ڈالی ہوگی اور جہاں جہاں **توفّی** کا لفظ موجود ہے بنظر غور دیکھا ہوگا وہ ایمانًا ہمارے بیان کی تائید میں شہادت دے سکتا ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ دیکھنا چاہیے کہ یہ آیات
(۱) اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ [۱] (۲) تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا [۲]
(۳) وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى [۳] (۴) تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ [۴] (۵) يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ [۵]
(۶) تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا [۶] (۷) رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ [۷] (۸) تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ [۸]
(۹) وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ [۹] (۱۰) ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ [۱۰]

کیسی صریح اور صاف طور پر موت کے معنوں میں استعمال کی گئی ہیں مگر کیا قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت بھی ہے کہ ان آیات کی طرح مجرد **توفّی** کا لفظ لکھنے سے اس سے کوئی اور معنے مراد لئے گئے ہوں۔ موت مراد نہ لی گئی ہو۔ بلاشبہ قطعی اور یقینی طور پر اوّل سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت ہے کہ ہر جگہ درحقیقت **توفّی** کے لفظ سے موت ہی مراد ہے تو پھر متنازعہ فیہ دو آیتوں کی نسبت جو **اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ** ہیں اپنے دل سے کوئی معنے مخالف عام محاورہ قرآن کے گھڑنا اگر الحاد اور تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟ «۳۳۵»

اور اس جگہ یہ نکتہ بیان کرنے کے لائق ہے کہ قرآن شریف میں ہر جگہ موت کے محل پر **توفّی** کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے **اِمَاتت** کا لفظ کیوں استعمال نہیں کیا؟ اس میں بھید یہ ہے کہ موت کا لفظ ایسی چیزوں کے فنا کی نسبت بھی بولا جاتا ہے جن پر فنا طاری ہونے کے بعد کوئی روح اُن کی باقی نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے جب نباتات اور جمادات اپنی صورت نوعیہ کو چھوڑ کر کوئی اور صور قبول کر لیں تو اُن پر بھی موت کا لفظ

[۱] یونس: ۴۷ [۲] یوسف: ۱۰۲ [۳] الحج: ۶ [۴] النسآء: ۹۸ [۵] البقرۃ: ۲۴۱
[۶] الانعام: ۶۲ [۷] الاعراف: ۳۸ [۸] الاعراف: ۱۲۷ [۹] ال عمران: ۱۹۴ [۱۰] النحل: ۷۱

اصول آپ نے دیکھ لیا مرزا کہتا ہے مجازی معنی لینے کے لیے کوئی نہ کوئی قرینہ ہونا ضروری ہے، ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ توفی کا حقیقی معنی ”أخذ الشيء وافيا“ ہے اور مجازی معنوں ”موت“ ہے۔ اس لیے ہمیں حقیقی معنی لینے کے لیے تو کسی قرینہ کی ضرورت نہیں مگر قادیانی

حضرات تو مجازی معنی ''موت'' لینے کے لیے مرزا قادیانی کے اصول کے مطابق ضرور قرینہ چاہیے اور ہماری زیر بحث آیت میں توفی کا معنی موت لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ توفی کا حقیقی معنی پورا پورا لینا اس پر ہم دلائل کا انبار لگا چکے ہیں۔

ویسے تو ہم توفی کے معنی پورا پورا لینا پر تفاسیر سے بھی حوالہ جات پیش کر چکے ہیں اور عربی لغات سے بھی اب آخر میں کچھ حوالہ جات قادیانی کتب سے بھی ملاحظہ فرمائیں

مرزا قادیانی نے توفی کا معنی ''پوری نعمت دینا'' کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

''انی متوفیك ورافعك الی وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامة۔۔۔۔۔۔(آگے عربی لمبی عربی عبارت ہے)۔۔۔(پر ترجمہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے) میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اور جو لوگ تیری متابعت اختیار کریں یعنی حقیقی طور پر اللہ و رسول کے متبعین میں داخل ہو جائیں ان کو ان کے مخالفوں پر کہ جو انکاری ہیں۔ قیامت تک غلبہ بخشوں گا۔ ''

(روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 620)

روحانی خزائن جلد ۱ ۶۲۰ براہین احمدیہ حصہ چہارم

اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ [۱] الجزو نمبر ۴ سورہ ال عمران وَلَوْلَآ اَنْ تُصِیْبَھُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ [۲] وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ ﴿۵۲۰﴾

بقیہ حاشیہ نمبر ۱۱

﴿۵۲۰﴾ آیت میں تعلیم کی گئی ہے۔ جو فرمایا ہے۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں انسان کو خدا کی محبت اور اس کے غیر کی عداوت سرشت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور بطریق طبعیت اس میں قیام پکڑتی ہے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳

ہرگز نہیں مانیں گے جب تک خدا کو بچشم خود دیکھ نہ لیں۔ سفیہ بجز ضربۂ ہلاکت کے کسی چیز کو باور نہیں کرتا میرا اور تیرا دشمن ہے۔ کہہ خدا کا امر آیا ہے سو تم جلدی مت کرو جب خدا کی مدد آئے گی تو کہا جائے گا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں کہیں گے کہ کیوں نہیں۔ **انی متوفیک ورافعک الی وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامة ولا تھنوا ولا تحزنوا وکان اللّٰہ بکم رء وفًا رحیما۔ الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ تموت وانا راض منک فادخلوا الجنة ان شاء اللّٰہ اٰمنین۔ سلام علیکم طبتم فادخلوھا اٰمنین۔ سلام علیک جعلت مبارکا۔ سمع اللّٰہ انہ سمیع الدعاء انت مبارک فی الدنیا والاخرة۔ امراض الناس وبرکاتہ ان ربک فعال لما یرید۔ اذکر نعمتی التی انعمت علیک وانی فضلتک علی العلمین۔ یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیةً فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ منَّ ربکم علیکم واحسن الی احبابکم وعلمکم مالم تکونوا تعلمون۔ وان تعدوا نعمة اللّٰہ لا تحصوھا** ۔ میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اور جو لوگ تیری متابعت اختیار کریں یعنی حقیقی طور پر اللہ و رسول کے متبعین میں داخل ہو جائیں ان کو ان کے مخالفوں پر کہ جو انکاری ہیں۔ قیامت تک غلبہ بخشوں گا یعنی

[۱] اٰل عمران:۱۰۴ [۲] القصص:۴۸

آپ نے ملاحظہ فرمائیں عبارت میں مرزا قادیانی نے توفی کا معنی پوری نعمت دینا کیا ہے۔ دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیں

مرزا قادیانی اپنا ایک الہام لکھتا ہے اور آگے اس کا معنی بتاتا ہے،

''یا عیسٰی انی متوفّیك ورافعك الیّ وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ اس جگہ میرا نام عیسیٰ رکھا گیا اور اس الہام نے ظاہر کیا کہ وہ عیسیٰ پیدا ہو گیا۔ (روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 49)

روحانی خزائن جلد۱۹ ۴۹ کشتی نوح

اپنے پاس سے صدق کی روح پھونک دی خدا نے اس آیت☆ میں میرا نام روح الصدق رکھا۔ یہ اس آیت کے مقابل پر ہے کہ نَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ پس اس جگہ گویا استعارہ کے رنگ میں مریم کے پیٹ میں عیسیٰ کی روح جا پڑی جس کا نام روح الصدق ہے پھر سب کے آخر صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ میں وہ عیسیٰ جو مریم کے پیٹ میں تھا اُس کے پیدا ہونے کے بارہ میں یہ الہام ہوا۔ **یا عیسٰی انی متوفّیک ورافعک الیّ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الٰی یوم القیامۃ** اس جگہ میرا نام عیسیٰ رکھا گیا اور اس الہام نے ظاہر کیا کہ وہ عیسیٰ پیدا ہو گیا جس کے روح کا نفخ صفحہ ۴۹۶ میں ظاہر کیا گیا تھا۔ پس اس لحاظ سے میں عیسیٰ بن مریم کہلایا کیونکہ میری عیسوی حیثیت مریمی حیثیت سے خدا کے نفخ سے پیدا ہوئی دیکھو صفحہ ۴۹۶ اور صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ۔ اور اسی واقعہ کو سورۃ تحریم میں بطور پیشگوئی کمال تصریح سے بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اس اُمت میں اس طرح پیدا ہوگا کہ پہلے کوئی فرد اس اُمت کا مریم بنایا جائے گا اور پھر بعد اس کے اس مریم میں عیسیٰ کی روح پھونک دی جائے گی پس وہ مریمیت کے رحم میں ایک مدت تک پرورش پا کر عیسیٰ کی روحانیت میں تولد پائے گا اور اس طرح پر وہ عیسیٰ بن مریم کہلائے گا یہ وہ خبر محمدی ابن مریم کے بارے میں ہے جو قرآن شریف یعنی سورۃ تحریم میں اس زمانہ سے تیرہ سو ۱۳۰۰ برس پہلے بیان کی گئی ہے اور پھر براہین احمدیہ میں سورۃ التحریم کی ان آیات کی خدا تعالیٰ نے خود تفسیر فرما دی ہے۔ قرآن شریف موجود ہے ایک طرف قرآن شریف کو رکھو اور ایک طرف براہین احمدیہ کو اور پھر انصاف اور عقل اور تقویٰ سے سوچو کہ وہ پیشگوئی جو سورۃ تحریم میں تھی یعنی یہ کہ اس اُمت میں بھی کوئی فرد مریم کہلائے گا اور پھر مریم سے عیسیٰ بنایا جائے گا گویا اس میں سے پیدا ہوگا وہ کس رنگ میں براہین احمدیہ کے الہامات سے پوری ہوئی کیا یہ انسان کی قدرت ہے کیا یہ میرے اختیار میں تھا اور کیا میں اس وقت موجود تھا جبکہ قرآن شریف نازل ہو رہا تھا تا میں عرض کرتا کہ مجھے ابن مریم بنانے کے لئے کوئی آیت اُتاری جائے اور اس اعتراض سے مجھے سبکدوش

﴿۴۶﴾

☆ یہاں آیت سے مراد الہام ہے جیسا کہ اس سے چند سطریں پہلے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے الہام قرار دیا ہے (ناشر)

دیکھیں مرزا قادیانی نے متوفّیك کا معنی ''عیسیٰ پیدا ہو گیا'' کیے ہیں، قادیانی حضرات تو کہتے ہیں توفی کا معنی موت کے علاوہ ہوتا ہی نہیں ہے اب بتائیں مرزا قادیانی کا کیا کرنا ہے؟

خیر ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیں

''براہین احمدیہ کا وہ الہام یعنی یا عیسی انّی متوفیك جو سترہ برس سے شائع ہو چکا ہے اس کے اس وقت خوب معنے کھلے یعنی یہ الہام حضرت عیسیٰ کو اس وقت بطور تسلی ہوا تھا جب یہود ان کے مصلوب کرنے کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ اور اس جگہ بجائے یہود ہنود کوشش کر رہے ہیں اور الہام کے یہ معنے ہیں کہ میں تجھے ایسی ذلیل اور لعنتی موتوں سے بچاؤں گا۔'' (روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 23)

روحانی خزائن جلد۱۲ ۲۳ سراج منیر

طور سے خبر دے سکتا ہے کہ گویا وہ موجود ہے۔ کیا چھ سال کی میعاد بیان کرنا اور عید کے دوسرے دن کا پتہ دینا اور صورت موت بیان کر دینا یہ خدا سے ہونا محال ہے؟ اگر خدا سے محال ہے تو ان قیدوں کے ساتھ انسان کی اپنی پیشگوئی کیوں کر ممکن ہے۔ کیا دور دراز عرصہ سے ایسی صحیح خبریں دینا انسان کا کام ہے؟ اگر ہے تو اس کی دنیا میں کوئی **نظیر** پیش کرو۔ گورنمنٹ کو یہ فخر ہونا چاہیے کہ اس ملک میں اور اس کے زمانہ بادشاہت میں خدا اپنے بعض بندوں سے وہ تعلق پیدا کر رہا ہے کہ جو قصوں اور کہانیوں کے طور پر کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس ملک پر یہ رحمت ہے کہ آسمان زمین سے نزدیک ہو گیا ہے۔ ورنہ دوسرے ملکوں میں اس کی نظیر نہیں!

یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ مختلف مقامات پنجاب سے کئی خط میرے پاس پہونچے ہیں جن میں بعض آریہ صاحبوں کے جوشوں اور نامناسب منصوبوں کا تذکرہ ہے۔ میرے پاس وہ خط بحفاظت موجود ہیں اور اس جگہ کے بعض آریہ کو میں نے وہ خط دکھلا دیئے ہیں۔ چنانچہ ایک خط جو گوجرانوالہ سے ایک معزز اور رئیس کا مجھ کو پہنچا ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ ''اس جگہ دو دن تک جلسہ ماتم لیکھرام ہوتا رہا اور قاتل کے گرفتار کنندہ کے لئے ہزار روپیہ انعام قرار پایا ہے اور دوسو اس کے لئے جو نشان دہی کرے اور خارجاً سنا گیا ہے کہ ایک خفیہ انجمن آپ کے قتل کے لئے منعقد ہوئی ہے☆ اور اس انجمن کے ممبر قریب قریب شہروں کے لوگ (جیسے لاہور، امرتسر، بٹالہ اور خاص گوجرانوالہ کے ہیں) منتخب ہوئے ہیں۔ اور تجویز یہ ہے کہ بیس ہزار روپیہ چندہ ہو کر کسی شریر طامع کو اس کام کیلئے مامور کریں تا وہ موقعہ پا کر قتل کر دے۞۔ چنانچہ دو ہزار روپیہ تک چندہ کا بندوبست ہو بھی گیا ہے۔ باقی دوسرے شہروں اور دیہات سے وصول کیا جائے گا''۔ پھر بعد اس کے

﴿۲۰﴾

☆ یہی خبر اجمالاً پیسہ اخبار میں بھی لکھی ہے۔ منه

۞ براہین احمدیہ کا وہ الہام یعنی **یا عیسٰی انّی متوفیک** جو سترہ برس سے شائع ہو چکا ہے اس کے اس وقت خوب معنے کھلے یعنی یہ الہام حضرت عیسیٰ کو اس وقت بطور تسلی ہوا تھا جب یہود ان کے مصلوب کرنے کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ اور اس جگہ بجائے یہود ہنود کوشش کر رہے ہیں اور الہام کے یہ معنے ہیں کہ میں تجھے ایسی ذلیل اور لعنتی موتوں سے بچاؤں گا۔ دیکھو اس واقعہ نے عیسیٰ کا نام اس عاجز پر کیسے چسپاں کر دیا ہے۔ منه

اس جگہ مرزا قادیانی نے توفی کا معنی ''لعنتی اور ذلت کی موت سے بچانا'' کیا ہے۔

اسی طرح براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے

''اس لئے اُس نے بطور پیشگوئی مجھے بھی مخاطب کر کے یہی فرمایا کہ یا عیسی انّی متوفیك اس میں یہی اشارہ تھا کہ میں قتل اور صلیب سے بچاؤں گا'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم، خزائن جلد 21 صفحہ 362)

روحانی خزائن جلد ۲۱ ۳۶۲ ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم

مریمی حالت سے پیدا ہوئی اس لئے خدا نے مجھے عیسٰی بن مریم کے نام سے پکارا۔ پس اس طرح پر میں عیسٰی بن مریم بن گیا۔ غرض اس جگہ مریم سے مراد وہ مریم نہیں ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ماں تھی بلکہ خدا نے ایک روحانی مشابہت کے لحاظ سے جو مریم اُمّ عیسٰی کے ساتھ مجھے حاصل تھی میرا نام براہین احمدیہ حصص سابقہ میں مریم رکھ دیا۔ پھر ایک دوسری تجلّی میرے پر فرما کر اُس کو نفخ روح سے مشابہت دی۔ اور پھر جب وہ روح معرض ظہور اور بروز میں آئی تو اس رُوح کے لحاظ سے میرا نام عیسٰی رکھا۔ پس اسی لحاظ سے مجھے عیسٰی بن مریم کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اس جگہ اس نکتہ کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن شریف میں یہ آیت یعنی یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ [1] حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں تھی مگر براہین احمدیہ حصص سابقہ میں یہ آیت میرے حق میں نازل کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت عیسٰی پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان کی نسبت یہود کا یہی عقیدہ تھا کہ ان کی روح خدا کی طرف نہیں اٹھائی گئی۔ یہی عقیدہ مخالفین قوم کا میرے حق میں ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اِس کی روح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں اٹھائی جائے گی۔ اُن کے رد کے لئے خدا تعالیٰ مجھے فرماتا ہے کہ بعد موت مَیں تیری روح اپنی طرف اٹھاؤں گا اور یہ جو فرمایا **اِنّی متوفّیک** اِس میں ایک اور پیشگوئی مخفی ہے اور وہ یہ ہے کہ **توفّی** زبان عرب میں اس قسم کی موت دینے کو کہتے ہیں جو طبعی موت ہو بذریعہ قتل یا صلیب نہ ہو۔ جیسا کہ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں زیر آیت **یا عیسٰی انّی متوفّیک** یہ تفسیر لکھی ہے **انّی ممیتک حتف انفک** ۔ یعنی میں تجھے طبعی موت کے ساتھ ماروں گا۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ میرے قتل اور صلیب کے لئے بھی وہ کوشش کی جائے گی جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے کی گئی۔ اس لئے اُس نے بطور پیشگوئی مجھے بھی مخاطب کر کے یہی فرمایا کہ **یا عیسٰی انّی متوفیک** اس میں یہی اشارہ تھا کہ میں قتل اور صلیب سے بچاؤں گا اور ظاہر ہے کہ میرے قتل اور صلیب کے لئے بہت کوششیں ہوئیں جیسا کہ میرے قتل کے لئے علماء قوم نے فتوے دیئے اور ایک جھوٹا مقدمہ پھانسی دلانے کے لئے میرے پر بنایا گیا جس میں مستغیث پادری ڈاکٹر **مارٹن کلارک** تھا

﴿۱۹۱﴾

[1] ال عمران:۵۶

دیکھیں اس جگہ توفی کا معنی ''قتل اور صلیب سے بچانا'' کیے ہیں۔

اب قادیانی حضرات بتائیں کہ ان تینوں معنی میں سے کون ساوالا درست ہے اور کون ساغلط ؟ کون ساحقیقی ہے کون سامجازی؟

اگے چلتے ہیں قادیانیوں کا پہلا خلیفہ حکیم نوردین توفی کا کیا معنی کرتا ہے ملاحظہ فرمائیں

''اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ جَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡکَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۚ

جب اللہ نے فرمایا اے عیسی میں لینے والا ہوں تجھ کو اور بلند کرنے والا ہوں اپنی طرف اور پاک کرنے والا۔ تجھے کافروں سے اور کرنے والا ہوں تیرے اتباع کو کافروں کے اوپر قیامت تک۔'' (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ 7)

تصدیق براہین احمدیہ ۷

اور موسیٰ علیہ السلام کا ضعیف مگر سعید اور دشمنوں کی سختیوں پر صابر گروہ آخر اسی قاعدہ الٰہی کے مطابق کہ صادق بخلاف کاذب ومکذب کامیاب ہوتا ہے کامیاب ہوا۔

[1] وَاَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَمَغَارِبَہَا الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡہَا ؕ وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَدَمَّرۡنَا مَا کَانَ یَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَقَوۡمُہٗ (الاعراف: ۱۳۸)

بے بس نہایت خاکسار، بنی اسرائیل کے گھرانے کے خاتم الانبیاء، رسول، مسیح ابن مریم علیہا السلام کے قسی القلب دشمن کدھر گئے؟ کوئی ان کا پتہ بتا سکتا ہے؟ ان ''بے ایمان'' ''سانپوں'' اور ''سانپوں کے بچوں'' پر فتویٰ لگ گیا۔ ان پر حکم ہو چکا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اتباع جس جاہ وحشم کے ساتھ جناب مسیح علیہ السلام کے منکروں پر حکمران ہیں اس سے ہندوالے کیا تمام آباد دنیا بے خبر نہیں۔

ہمارے ہادی (اے رب اے رحمٰن اے رحیم مولیٰ کریم مجھے بھی اس کے خدام میں رکھیو اور اسی کی مرافقت جنت میں عطا کریو) کے آیات نبوت میں حضرت مسیح کے اتباع اور ان کے منکروں کا تذکرہ بطور پیشینگوئی مندرج ہے۔ اس پر غور کرو۔

[2] اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَجَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡکَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ (ال عمران: ۵۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اتباع اور ان کے ساتھ والے مسلمان ہیں یا عیسائی اور ان

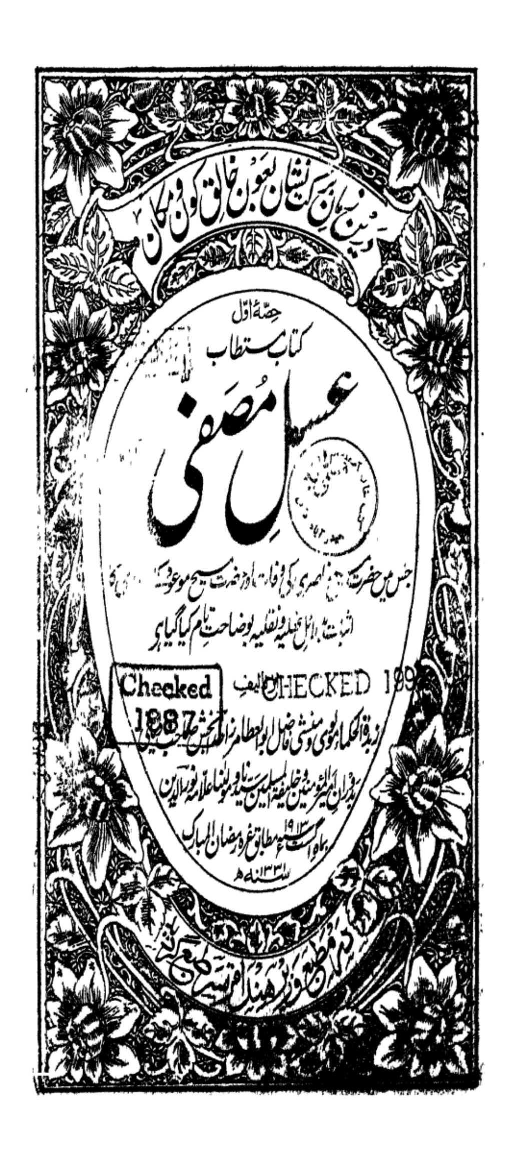
---

[1] اور ہم نے مالک بنایا موسیٰ کی ضعیف قوم کو مبارک ملک شام کی تمام زمین کا۔ اور پوری ہوئی اچھی بات تیرے رب کی بنی اسرائیل پر اس لئے کہ صابر ہوئے اور خراب کیا اس کو جسے بنایا فرعون اور اس کی قوم نے۔

[2] جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں لینے والا ہوں تجھ کو اور بلند کرنے والا ہوں اپنی طرف اور پاک کرنے والا۔ تجھے کافروں سے اور کرنے والا ہوں تیرے اتباع کو کافروں کے اوپر قیامت تک۔

دیکھیں حکیم نور دین مُتَوَفِّيكَ کا معنی ''لینے والا ہوں'' کر رہا ہے ۔

اسی طرح کتاب'' عسل مصفی'' جو کہ قادیانی حضرات کی معتبر کتاب ہے،اس کتاب کو مرزا قادیانی نے اول سے اخر تک مکمل سنااور تعریف کی(عسل مصفی صفحہ 7)



دی ان ٹون لائف آف جینز ز مصنفہ ناٹووچ روسی سیاح ۔

دی کروسی فکیشن آف جینزز

امید واثق ویقین کامل ہے کہ یہ جدید طبع کتاب پہلے سے زیادہ قبولیت حاصل کریگی اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کی ہدایت کا موجب ومزید ایمان ایقان کی باعث ہوگی ناظرین کتاب سے امید ہے کہ مصنّف کے حق میں دعاء خیر کرینگے اور فراموش نفرماوینگے اب ہم ذیل میں اُن بزرگاں کی تقریظات و ریویو درج کرتے ہیں جنہوں نے کمال مہربانی سے میرے ناچیز تحفہ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اُسکی قدر کی، مجھے اُن بزرگوں کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں وہ لوگ ایسے نہیں جو تعارف کے محتاج ہوں اُنکے نام ایسے ہی روشن ہیں جیسے الشمس فی النہار ۔

ہاں پیشتر اسکے کہ میں اُن آرائے بزرگاں کو لکھوں اس بات کا ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب عاجز نے بوقت اوّل ایڈیشن کتاب **عسل مصفّٰی** بحضور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش کی تو وہ کتاب کو دیکھکر بہت مسکرائے بعد ازاں زبان مبارک سے فرمایا کہ آپ ہی ہر روز بعد نماز مغرب اسکو سنا دیا کریں۔ چنانچہ بہ تعمیل ارشاد کئی ماہ تک مغرب سے عشاء تک سناتا رہا اور بعض دفعہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ جب بعض صاحبان نے مجھے مغرب سے پہلے کہدیا کہ آج ہم کچھ بحضور مسیح علیہ السلام سُنانا چاہتے ہیں تو میں کتاب ہمراہ نہ لیجاتا، مگر حضرت اقدس کو اسقدر دلچسپی اس کتاب سے ہوگئی تھی کہ جب میرے ہاتھ میں کتاب نہ دیکھتے تو فرماتے کیوں کتاب نہیں لائے جاؤ لاؤ اور سُناؤ، غرض کہ دو تین ماہ تک برابر شوق سے سُنتے رہے حتی کہ ختم ہوگئی۔ اور اسقدر خوش ہوئے کہ ایک دفعہ زنانخانہ میں جبکہ بہت سی مستورات جمع تھیں فرمایا کہ مرزا خدابخش صاحب نے ایسی عمدہ کتاب لکھی ہے کہ میرے مریدوں میں سے کسی نے آجتک ایسی عمدہ کتاب نہیں لکھی جسکو سُنکر مستورات خواندہ کو بھی اُس کتاب کے پڑھنے کا شوق ہوا اور کئی ایک مستورات نے کتاب خرید کی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ

حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کتاب کو اسقدر پسند فرمایا کہ بحضور حضرت مسیح علیہ السلام وروبروئے تمام جماعت احمدیہ جو بروز عید جمع تھی خطبہ عید میں اس کتاب کی تعریف فرمائی ۔

عاجز ابوالعطاء مرزا خدابخش

میں بھی ''حاشیہ شیخ احمد مالکی علی جلالین'' اور ''تفسیر جامع البیان'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''توفی'' کا معنی ''کسی چیز کو پورا پورا لینا'' ہے۔(عسل مصفی صفحہ 263)

۲۶۳

فائدہ نہیں دیتی۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے قول کو نہیں دیکھتے جہاں فرماتا ہے کہ موت کے وقت لوگوں کو متوفی کرتا ہے یعنے مار دیا کرتا ہے +

(۶) تفسیر سید احمد خان صاحب جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ میں زیر آیۃ بالا یوں لکھا ہے۔ جب تو نے مجھے فوت کیا تو تو ہی اُن پر نگہبان تھا +

(۷) تفسیر حسینی قلمی۔ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي۔ پس آن ہنگام کہ مرا فرا گرفتی یعنے رفع کردی بآسمان یا بمیرانیدی یعنے اُسوقت جب تو نے مجھے اُٹھا لیا یا مار دیا +

(۸) تفسیر غرایب القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۷ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ پس چوں بمیرانیدی مرا بودی تو مواظب بر آنہا یعنے جب تو نے مجھے مار دیا تو تو اُنپر نگہبان تھا +

(۹) تفسیر صافی جلد ۱۔ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي اَلتَّوَفِّي اخذ الشيء وافيا والموت نَوْعٌ مِنْهُ۔ یعنے توفی کے معنے کسی شے کا پورا لے لینا اور موت بھی اُس کی ایک قسم ہے +

(۱۰) تفسیر معالمات الاسرار جلد ۱ صفحہ ۲۳۵ زیر آیۃ بالا۔ پس ہرگاہ کہ بمیرانیدی مرا و بر آسمان برداشتی بودی تو نگہبان برایشاں۔ یعنے جب تو نے مجھکو مار دیا اور مار کر آسمان پر لے گیا تو اُن پر نگراں تھا +

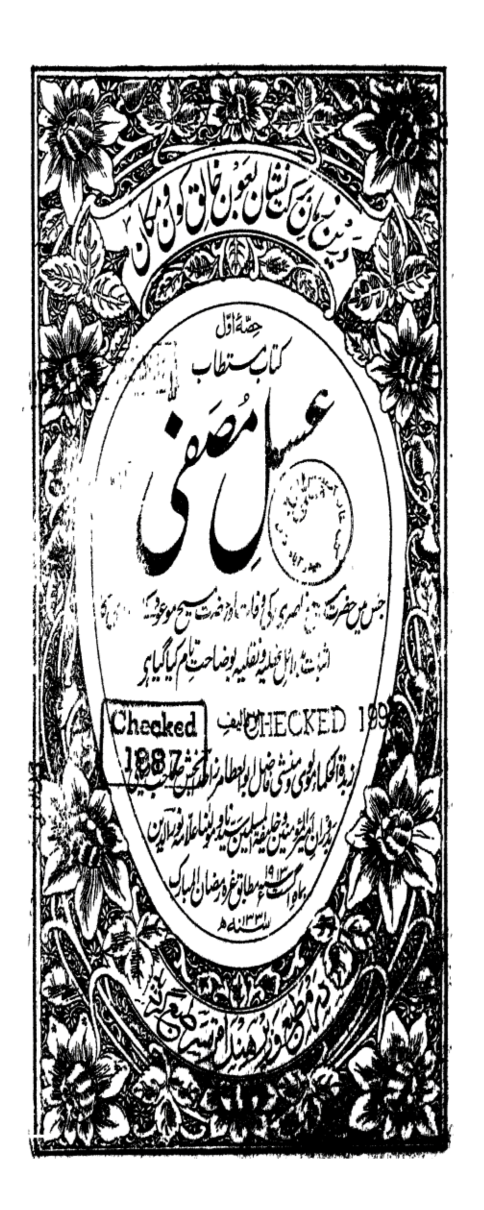
(۱۱) تفسیر فتح المنان جلد ۳ صفحہ ۶۴ زیر آیۃ بالا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دی تو اُن پر نگہبان تھا +

(۱۲) تفسیر الکبیر اعظم جلد ۷ صفحہ ۱۰ زیر آیۃ بالا۔ پھر جب تو نے مجھے لے لیا تو تو اُنپر نگہبان تھا +

(۱۳) حاشیہ شیخ احمد صادی مالکی علی جلالین جلد اول صفحہ ۳۱۵ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي يُسْتَعْمَلُ التَّوَفِّي فِي أَخْذِ الشَّيْءِ وَافِيًا أَيْ كَامِلًا وَالْمَوْتُ نَوْعٌ مِنْهُ۔ یعنے توفی کسی چیز کے پورا لینے کے وقت استعمال ہوتا ہے اور موت بھی اُسکی ایک قسم ہے +

(۱۴) تفسیر فتح القدیر قلمی میں زیر آیۃ۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي لکھا ہے۔ قِيلَ هٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ تَوَفَّاهُ قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَهُ۔ یعنے کہتے ہیں کہ یہ آیت اِسی بات پر دال ہے کہ اللہ سبحانہ نے مسیح علیہ السلام کو اُس کے رفع سے پہلے مار دیا تھا +

(۱۵) تفسیر جامع البیان صفحہ ۱۱۱ التَّوَفِّي أَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا۔ یعنے توفی کے معنے کسی چیز کا پورا پورا۔ لینا بھی ہے +



قادیانی حضرات کے تمام حجت کے لیے چند حوالے تھے، امید ہے یہ کافی شافی ہوں گے۔

(نوٹ: چونکہ ہم مانتے ہیں کہ توفی کے مجازی معنی موت ہیں اس لیے قادیانی حضرات کا کوئی ایسا حوالہ پیش کرنا جس میں ''توفی کا معنی موت بتایا گیا ہو یا موت کو توفی کی قسم بتایا گیا ہو'' ہمارے خلاف نہیں ہوگا)

قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ کا بھی یہی الفاظ استعمال کرنا

اعتراض

قادیانی حضرات کہتے ہیں بخاری میں حدیث ہے قیامت کے روز جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ لوگ جہنم میں داخل کیے جائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ فرمائیں گے یہ میرے ساتھی ہیں تو جواب دیا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ نہیں جانتے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شریعت کو اضافہ کر دیا تھا اس پر آپ علیہ السلام فرمائیں گے

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ

اس سے ثابت ہوا توفی کا معنی موت ہے، جب ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معنی موت ہے تو مسیح علیہ السلام کے لیے کیوں نہیں؟

مکمل حدیث ملاحظہ فرمائیں

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، قَالَ : خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللَّهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ، ثُمَّ قَالَ : كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ سورة الأنبياء آية 104 إِلَى آخِرِ الْآيَةِ ، ثُمَّ قَالَ : أَلَا وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ ، أَلَا وَإِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي ، فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ ، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ أُصَيْحَابِي ، فَيُقَالُ : إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ ، فَأَقُولُ : كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ، وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ سورة المائدة آية 117 ، فَيُقَالُ : إِنَّ هَؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ (. صحيح البخاری رقم : 4625)

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کے پاس جمع کئے جاؤ گے، ننگے پاؤں، ننگے جسم اور بغیر ختنہ کے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی " جس طرح ہم نے اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی، اسی طرح اسے دوبارہ زندہ کر دیں گے، ہمارے ذمہ وعدہ ہے، ہم ضرور اسے کر کے ہی رہیں گے۔" آخر آیت تک۔ پھر فرمایا قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑا پہنایا جائے گا۔ ہاں اور میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور انہیں جہنم کی بائیں طرف لے جایا جائے گا۔ میں عرض کروں گا، میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں؟ مجھ سے کہا جائے گا، آپ کو نہیں معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد نئی نئی باتیں شریعت میں نکالی تھیں۔

اس وقت بھی اسی کی مثل کہوں گا جو عبد صالح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہو گا کہ " میں ان کا حال دیکھتا رہا جب تک میں ان کے درمیان رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا (جب سے) تو ہی ان پر نگران ہے۔" مجھے بتایا جائے گا کہ آپ کی جدائی کے بعد یہ لوگ دین سے پھر گئے تھے۔

جواب

سب سے پہلے ایک اصول ملاحظہ فرمائیں

ایک ہی لفظ جب دو مختلف افراد کے لیے بولا جاتا ہے تو لفظ کے معنی دونوں افراد کے لحاظ سے مختلف ہو سکتے ہیں۔

اس اصول پر اب دلائل ملاحظہ فرمائیں

تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِكَ (المائدہ:116)

تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں۔

دیکھیں آیت مبارکہ میں مسیح علیہ السلام نے اپنے لیے بھی نفس لفظ کا استعمال کیا ہے اور اللہ رب العزت کے لیے بھی اسی لفظ کا استعمال کیا ہے اور یہ اتفاقی امر ہے کہ دونوں کے اعتبار سے ایک ہی لفظ نفس کے معنی الگ الگ ہیں،

اسی طرح مرزا قادیانی نے توفی کا لفظ جب مسیح علیہ السلام کے لیے آیا تو معنی "موت سے وفات دینا" کیے ہیں۔(تریاق القلوب، خزائن جلد 15صفحہ452)

ایک عظیم الشان نشان جو سلسلہ نبوت سے مشابہ ہے یہ ہے کہ براہین احمدیہ میں ایک یہ پیشگوئی تھی۔**یعصمک اللّٰہ و ان لم یعصمک النّاس . و ان لم یعصمک النّاس یعصمک اللّٰہ** ۔ اِس پیشگوئی میں اُس زمانہ بلا اور فتنہ کی طرف اشارہ تھا جبکہ ہر ایک انسان مجھ سے منہ پھیر لے گا اور تباہ کرنے یا قتل کرنے کے منصوبے سوچیں گے۔ سو میرے دعویٰ مسیح موعود اور مہدی موعود کے بعد ایسا ہی ظہور میں آیا۔ تمام لوگ یکدفعہ بر سر آزار ہو گئے اور انہوں نے اوّل یہ زور لگایا کہ کسی طرح نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ سے مجھے ملزم کر سکیں۔ پھر جبکہ وہ اِس میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ برخلاف اس کے نصوصِ صریحہ اور قویہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ فی الواقعہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت☆

حاشیہ

☆ یاد رہے کہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ درحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں کیونکہ اس مدعا پر قرآن شریف کی دو آیتیں شاہد ناطق ہیں۔ (۱) اوّل یہ آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[ل] یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربّ کا وہ فضل اور کرم یاد کر جو اُس نے عیسیٰ علیہ السلام پر کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بشارت دی کہ اے عیسیٰ میں تجھے موت سے وفات دوں گا یعنی تو مصلوب نہیں ہوگا اور تجھے وفات کے بعد اپنی طرف اُٹھاؤں گا یعنی تیرے برگزیدہ اور صادق ہونے کے بارے میں آثار قویہ اور جلیہ ظاہر کروں گا اور اس قدر دنیا میں تیرا ذکر خیر باقی رہ جائے گا کہ یہ ثابت ہو جائے گا کہ تو خدا کا مقرب ہے اور اس کے حضرت قدس میں بلایا گیا ہے اور جو الزام تیرے پر لگائے جاتے ہیں اُن سب سے تیرا پاک دامن ہونا ثابت کر دوں گا اور تیرے تابعین کو جو تیری صحیح صحیح تعلیم کی پیروی کریں گے حجت اور برہان کے رو سے قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور نیز تیرے مخالفوں اور گالیاں دینے والوں پر ذلت ڈالوں گا۔ وہ ہمیشہ ذلت سے عمر بسر کریں گے۔ درحقیقت خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے پردے میں ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے کر ایک بشارت دی ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو تیرے مارنے کے درپئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ نور دنیا

﴿۱۳۲﴾

ل آل عمران:۵۶

اور اپنے لیے توفی کے معنی ''پوری نعمت دوں گا'' کیے ہیں۔ (براہین احمدیہ ص ۵۵۶، ۵۱۹، خزائن ج ا ص ۶۶۴، ۶۲۰)

اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ [1] الجز و نمبر ۴ سورہ ال عمران وَلَوْلَآ اَنْ تُصِیْبَھُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ وَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ [2] وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُوْ فَضْلٍ

﴿۵۲۰﴾

بقیہ حاشیہ نمبر ۱۱

آیت میں تعلیم کی گئی ہے۔ جو فرمایا ہے۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں انسان کو خدا کی محبت اور اس کے غیر کی عداوت سرشت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور بطریق طبعیت اس میں قیام پکڑتی ہے

﴿۵۲۰﴾

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳

ہرگز نہیں مانیں گے جب تک خدا کو بچشم خود دیکھ نہ لیں۔ سفیہ بجز ضربۂ ہلاکت کے کسی چیز کو باور نہیں کرتا میرا اور تیرا دشمن ہے۔ کہہ خدا کا امر آیا ہے سو تم جلدی مت کرو جب خدا کی مدد آئے گی تو کہا جائے گا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں کہیں گے کہ کیوں نہیں۔ **انی متوفیک ورافعک الی وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامة ولا تھنوا ولا تحزنوا و کان اللّٰہ بکم رءوفًا رحیما. الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون. تموت وانا راض منک فادخلوا الجنة ان شاء اللّٰہ اٰمنین. سلام علیکم طبتم فادخلوھا اٰمنین. سلام علیک جعلت مبارکا. سمع اللّٰہ انہ سمیع الدعاء انت مبارک فی الدنیا والاخرة. امراض الناس وبرکاتہ ان ربک فعال لما یرید. اذکر نعمتی التی انعمت علیک وانی فضلتک علی العلمین. یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیةً فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی. منَّ ربکم علیکم و احسن الی احبابکم وعلمکم مالم تکونوا تعلمون. وان تعدوا نعمة اللّٰہ لا تحصوھا** ۔ میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اور جو لوگ تیری متابعت اختیار کریں یعنی حقیقی طور پر اللہ و رسول کے متبعین میں داخل ہو جائیں ان کو ان کے مخالفوں پر کہ جو انکاری ہیں۔ قیامت تک غلبہ بخشوں گا یعنی

[1] ال عمران: ۱۰۴ [2] القصص: ۴۸

دیکھیں مرزا قادیانی نے اپنی اور مسیح علیہ السلام کی توفی کو الگ الگ مانا ہے۔ دونوں کے معنی الگ الگ کیے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ نے فرمایا

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح :29)

محمد (صلی۔اللہ۔علیہ۔وآلہ۔وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔

جبکہ مرزا قادیانی کہتا ہے اللہ نے مجھے بھی کہا

"محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم اس وحی الٰہی میں خدا نے میرا نام محمد رکھا اور رسول بھی۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳، خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۷)

روحانی خزائن جلد ۱۸ — ۲۰۷ — ایک غلطی کا ازالہ

عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد اِسی کتاب میں میری نسبت یہ وحی اللہ ہے **جرى الله فى حلل الانبياء** یعنی خدا کا رسول نبیوں کے حلوں میں دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۰۴ پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** ۔اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔ پھر یہ وحی اللہ ہے جو صفحہ ۵۵۷ براہین میں درج ہے "دنیا میں ایک نذیر آیا" اس کی دوسری قراءت یہ ہے کہ دنیا میں ایک نبی آیا۔ اسی طرح براہین احمدیہ میں اور کئی جگہ رسول کے لفظ سے اس عاجز کو یاد کیا گیا۔ سو اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیّین ہیں پھر آپ کے بعد اور نبی کس طرح آ سکتا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ بے شک اُس طرح سے تو کوئی نبی نیا ہو یا پُرانا نہیں آ سکتا جس طرح سے آپ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری زمانہ میں اُتارتے ہیں اور پھر اس حالت میں اُن کو نبی بھی مانتے ہیں بلکہ چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوت کا جاری رہنا اور زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بے شک ایسا عقیدہ تو معصیت ہے اور آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [1] اور حدیث **لَانَبِيَّ بَعْدِيْ** اس عقیدہ کے کذب صریح ہونے پر کامل شہادت ہے۔ لیکن ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا کہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور اس آیت میں ایک پیشگوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے «۲»

[1] الاحزاب : ۴۱

اب قادیانی بتائیں کہ کیا رسول کا معنی مرزا قادیانی کے حق میں بھی وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں رسول کا لفظ بولا گیا جس کا معنی ہے صاحب شریعت، کامل، افضل الانبیاء، خاتم النبیین، رسول کیا مرزا قادیانی کے حق میں جو بقول مرزا لفظ رسول آیا ہے اس کا بھی یہی معنی ہے ؟ واضح بات ہے قادیانی انکار ہی کریں گے تو ثابت ہوا ایک ہی لفظ جب دو اشخاص کے لیے آتا ہے تو دونوں کے لحاظ سے معنی الگ الگ ہو سکتا ہے۔

دلیل سے ثابت ہوا کہ ایک ہی لفظ کے معنی دو مختلف افراد کے لحاظ سے مختلف ہو سکتے ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو قادیانی حضرات کا اعتراض کہ "توفی کے جو معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کرتے ہو وہی مسیح علیہ السلام کے لیے کرو" جاتا رہا۔

دوسی بات حدیث میں لفظ "کما" آیا ہے یعنی "میں اس کے مثل کہوں گا جو عبدالصالح نے کہا" یہ "کما" لفظ بتا رہا ہے کہ مسیح علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں فرق ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمانا چاہتے کہ "میں وہی کہاوں گا جو مسیح علیہ السلام نے کہا" تو آپ "كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ" کی جگہ "ما قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ" فرماتے۔

کما تشبیہ کے لیے آتا ہے اور یہ اصول ہے مشبہ اور مشبہ بہ میں مغایرت ضروری ہے،اس اصول پر حوالہ ملاحظہ فرمائیں

''مشبہ اور مشبہ بہ میں کچھ مغایرت ضروری ہے'' (تحفہ گولڑویہ، خزائن جلد 17 صفحہ 193)

روحانی خزائن جلد ۱۷ ۱۹۳ تحفہ گولڑویہ

وہ ان ہر دو نبی صاحب الشریعت کی قوم میں سے نہیں ہیں۔ حضرت عیسٰی اس لئے کہ ان کا کوئی باپ نہیں اور اسلام کے مسیح موعود کی نسبت جو آخری خلیفہ ہے خود علماءِ اسلام مان چکے ہیں کہ وہ قریش میں سے نہیں ہے اور نیز قرآن شریف فرماتا ہے کہ یہ دونوں مسیح ایک دوسرے کا عین نہیں ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں اسلام کے مسیح موعود کو موسوی مسیح موعود کا مثیل ٹھہراتا ہے نہ عین۔ پس محمدی مسیح موعود کو موسوی مسیح کا عین قرار دینا قرآن شریف کی تکذیب ہے۔ اور تفصیل اس استدلال کی یہ ہے کہ کَمَا کا لفظ جو آیت کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ میں ہے جس سے تمام محمدی سلسلہ کے خلیفوں کی موسوی سلسلہ کے خلیفوں کے ساتھ مشابہت ثابت ہوتی ہے ہمیشہ مماثلت کے لئے آتا ہے اور مماثلت ہمیشہ **من وجہٍ مغایرت** کو چاہتی ہے یہ ممکن نہیں کہ ایک چیز اپنے نفس کی مثیل کہلائے بلکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں کچھ مغایرت ضروری ہے اور عین کسی وجہ سے اپنے نفس کا مغایر نہیں ہوسکتا۔ پس جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ کے مثیل ہو کر اُن کے عین نہیں ہو سکتے ایسا ہی تمام محمدی خلیفے جن میں سے آخری خلیفہ مسیح موعود ہے وہ موسوی خلیفوں کے جن میں سے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کسی طرح عین نہیں ہو سکتے اس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ کَمَا کا لفظ جیسا کہ حضرت موسیٰ اور آنحضرت کی مشابہت کے لئے قرآن نے استعمال کیا ہے وہی کَمَا کا لفظ آیت کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ میں وارد ہے جو اسی قسم کی مغائرت چاہتا ہے جو حضرت موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ یاد رہے کہ اسلام کا بارھواں خلیفہ جو تیرھویں صدی کے سر پر ہونا چاہیے وہ یحییٰ نبی کے مقابل پر ہے جس کا ایک پلید قوم کے لئے سر کاٹا گیا (سمجھنے والا سمجھ لے) اس لئے ضروری ہے کہ بارھواں خلیفہ قریشی ہو جیسا کہ حضرت یحییٰ اسرائیلی ہیں لیکن اسلام کا تیرھواں خلیفہ جو چودھویں صدی کے سر پر ہونا چاہیے جس کا نام مسیح موعود ہے اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ قریش میں سے نہ ہو جیسا کہ حضرت

اسی اصول پر ایک مثال سمجھ

''عمر میرے بھائی کی طرح ہے'' اس جملے میں تشبیہ ہے، اور تشبیہ چاہتی ہے کہ ''عمر'' اور ''بھائی'' میں فرق ہو۔ عمر میرا بھائی نہیں ہے اس تشبیہ سے یہ ثابت ہوا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ''میں بھی اس کے مثل کہوں گا جو مسیح علیہ السلام نے کہا'' سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور جو کہیں گے وہ وہ نہیں ہو گا جو مسیح علیہ السلام نے کہا ہو گا، یعنی دونوں توفی میں فرق ضرور ہو گا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبی علیہ السلام نے اپنے قول اور مسیح علیہ السلام کے قول میں تشبیہ بیان کی ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تشبیہ میں مغایرت ہوتی ہے تو مسیح علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا الگ ہونا واضح ہو گیا۔

اس لیے ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی اور مسیح علیہ السلام کی توفی دونوں میں فرق ہونا ضروری ہے۔ دونوں توفی میں فرق یہ ہے

مسیح علیہ السلام کی توفی بالرفع السماء ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی بالموت ہے۔

اب قادیانی حضرات یہ سوال کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں توفی کا معنی موت کو توفی کا مجازی معنی ہے کس قرینے سے لیا جا رہا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور آپ کہیں گے یہ میرے ساتھی ہیں جواب آئے گا ''إِنَّكَ لَاتَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ'' آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد آپ کی شریعت میں اضافے کر دے تھے۔ یہ اضافے کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امت میں آئے ہیں، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی کا معنی موت لیا جائے، جبکہ مسیح علیہ السلام کے حق میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

ایک لفظ جب دو مختلف اشخاص کے لیے بولے جائیں گے تو معنی مختلف ہو سکتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی اور ہے مسیح علیہ السلام کی توفی اور ہے۔

حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور مسیح علیہ السلام کے قول میں تشبیہ بیان کی اور تشبیہ کے لیے ضروری ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں فرق ہو، اس سے ثابت ہوا کہ مسیح علیہ السلام کی توفی رسول اللہ کی توفی میں فرق ہے۔

مسیح علیہ السلام کے توفی بالرفع السماء ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی بالموت ہوئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی کے مجازی معنوں موت لینے کا قرینہ موجود ہے مگر مسیح علیہ السلام کی توفی کا معنی موت لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔